ارشادات ربّانی:

أعُوذُ باللّٰہ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔

﴿إنَّا أعطَینَاکَ الکَوثَر ☆ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانحَر ☆ إنَّ شَانِئَکَ هُوَ الأبتَر﴾ (سورة الکوثر)

ترجمہ:۔ ”یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر (اور بہت کچھ) دیا ہے، پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر، یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام ونشان ہے“۔

تفسیر:۔ اس کا دوسرا نام ”سورۃ النحر“ بھی ہے، کوثر کثرت سے ہے، اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں، ابن کثیر نے ”خیر کثیر“ کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آ جاتے ہیں، مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ کو عطا کی جائے گی، اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع ودوام ذکر اور آخرت کا اجر وثواب سب ہی چیزیں ”خیر کثیر“ میں آ جاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

نماز بھی صرف ایک اللہ کے لئے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر، مشرکین کی طرح ان میں دوسروں کو شریک نہ کر، نحر کا اصل معنی ہیں اونٹ کے حلقوم میں چھری یا نیزہ مار کر اسے ذبح کرنا، دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں، لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ وخیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر منیٰ میں اور عید الأضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا سب شامل ہیں۔

ارشادات رسول ﷺ:

عن أبي قتادة رضی الله عنه قال: سئل رسول الله ﷺ عن صوم عرفة؛ قال: ”يكفر السنة الماضية والباقية“. (رواه مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ سے عرفہ کے روزے کی بابت سوال کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے“۔ (صحیح مسلم)

فوائد: ۹ ذوالحجہ کو یوم عرفہ کہا جاتا ہے، اس دن حجاج کرام عرفات میں وقوف کرتے ہیں جو حج کا انتہائی اہم رکن ہے، اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا، حجاج تو اس دن عرفات میں ذکر ودعاء میں مشغول ہوتے ہیں اور اس دن ان کی یہی سب سے اہم عبادت ہوتی ہے اس لئے اس دن کا روزہ ان کے لیے مستحب نہیں، لیکن غیر حاجیوں کے لیے اس دن کے روزے کی یہ فضیلت ہے کہ یہ دو سالوں کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہوتا ہے یا پھر رفع درجات کا باعث ثابت ہوتا ہے۔

(ترجمہ وفوائد، تحقیق وتخریج: حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار بابا سردار خاں پدر بزرگوار الحاج نعمت اللہ خاں رحمہ اللہ بانی جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، نیپال

जि.प्र.का.द.नं. २४/०७४/७५
जि.ह.का.द.नं. ०५

अल-सिराज
(मासिक उर्दू पत्रिका)

वर्ष:४, अङ्क:१,२,३ अप्रेल-जून २०२१

وجعلنا سراجا وهاجا

جامعہ سراج العلوم السلفیہ کا ترجمان

جلد نمبر : (۲۷، ۲۸)

شمارہ نمبر : (۱۱، ۱۲، ۱)

اپریل تا جون : ۲۰۲۱ء

رمضان المبارک تا ذی قعدہ : ۱۴۴۲ھ

بانی: خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

مجلة اسلامية علمية شهرية
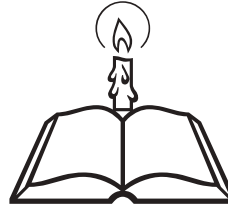
بدل اشتراک

نیپال	ہندوستان	دیگر ممالک	خصوصی تعاون
300 روپے نیپالی	200 روپے بھارتی	40 ڈالر امریکی	5000 روپے بھارتی

خط و کتابت وترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ السراج، جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، کرشنا نگر، کپل وستو، نیپال

Mahnama Al-siraj, Jamia Sirajul Uloom Al-salafia
Jhanda Nagar, Krishna Nagar, Kapilvastu, Nepal

فون نمبر
00977-76-520582

E-mail :Jamianp@.gmail.com - web : www.jsirajululoom.com

Designed By: Irfan Maqbool Nomani

ترتیب مضامین

کمپیوٹر آپریٹر: عتیق الرحمٰن سراجی

ڈیزائننگ: عرفان مقبول نعمانی

تجلیات

شمیم احمد ندوی

اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

گذشتہ دنوں یعنی رواں ماہ کے پہلے ہفتہ میں ایک ایسا واقعہ دنیا کی سیاست میں رونما ہوا جو اگر آج سے چند برس قبل پیش آتا تو اسے انتہائی محیر العقول اور ناقابل یقین سمجھا جاتا، وہ واقعہ تھا افغانستان کے بگرام ائربیس سے امریکی فوجیوں کا بے نیل مرام انخلاء۔

اس پیش رفت کو یوں تو کسی طرح حیرت ناک نہیں کہا جاسکتا کہ گذشتہ سال ماہ فروری میں قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ساتوں دور کی بات چیت میں امریکی وطالبانی نمائندوں کے درمیان یہ معاہدہ طے پاچکا تھا،اس معاہدہ کی بنیادی شق یہ تھی کہ امریکی فوجیں مکمل طور پر افغانستان کی سرزمین کو خالی کردیں گی اور بدلہ میں طالبان امریکی فوجوں پر حملے بند کردیں گے کچھ دیگر دفعات میں جنگی قیدیوں کا تبادلہ وغیرہ شامل تھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج سے چند سال قبل اگر یہ پیشین گوئی کی جاتی کہ امریکی فوجیں خائب وخاسر ہوکر، اپنا بہت کچھ لٹا اور گنوا کر اور شکست وریخت سے دوچار ہوکر افغانستان کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوجائیں گی تو شاید اس دعوی کو مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہ دی جاتی، کیونکہ دنیا کی بساط سیاست اور طاقت کے توازن پر نظر رکھنے والی ظاہر بیں آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ امریکہ اور طالبان کے درمیان کوئی مقابلہ نہیں کیونکہ ایک طرف جہاں امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور اور اقتصادی وعسکری طاقت سے مالامال ملک تھا تو دوسری طرف طالبان بظاہر کمزو ونہتے اور بے دست وپا تھے اور باضابطہ طور پر دنیا کی کسی حکومت وسیاست اور رسمی طور پر کسی ایسے خطۂ ارض کے مالک نہ تھے جہاں ان کو خودمختاری حاصل ہو اور جہاں وہ اپنے فیصلے کرنے کے لیے آزاد ہوں، پھر امریکہ کی ناراضگی کے خوف سے دنیا کا کوئی ملک علانیہ طور سے افغانستان کا ساتھ دینے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، جب کہ دوسری طرف امریکہ کو دنیا کی عظیم ترین فوجی قوت ہونے کے ساتھ ساتھ یورپی یونین اور ناٹو کی عسکری حمایت حاصل تھی اور کئی ملکوں کی فوجیں افغانستان میں امریکہ کے شانہ بشانہ لڑ رہی تھیں، اور یہ اتحادی ممالک امریکہ کے ہر طرح سے معاون ومددگار اور اس کے حامی وطرف دار تھے، وہیں دوسری طرف طالبان کو خود اپنے ملک افغانستان میں جائے پناہ نہیں مل رہی تھی اس لیے انھوں نے غاروں وپہاڑوں میں روپوش رہتے ہوئے امریکہ کے خلاف گوریلا جنگ شروع کردی۔

امریکہ کو افغانستان میں ملنے والی ابتدائی کامیابیاں کسی بھی طرح غیر متوقع نہیں تھیں، اس نے اپنے مہلک وتباہ کن ہتھیاروں اور جدید وخودکار اسلحوں سے حملے کرکے بہت جلد طالبان کو اقتدار سے بے دخل کردیا، اس کے لیے اس نے افغانستان کی سرزمین کے بڑے رقبہ کو تباہ وبرباد اور تودۂ خاک

بنادیا، حتی کہ سنگلاخ چٹانوں اور پہاڑوں وغاروں کو بھی اپنی شدید بمباری کا نشانہ بنایا اور دیوہیکر B52 طیاروں کی خوفناک گڑگڑاہٹ اور کارپٹ بمباری سے طالبان کو خائف ولرزہ اندام کرنے کی کوشش کی، ان حالات میں اگر دنیا کی فوجی وسیاسی صورت حال پر گہری نظر رکھنے والے مبصرین وتجزیہ نگاروں سے افغانستان کے مستقبل کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ بغیر کسی پس وپیش کے وہاں امریکہ کی مکمل فتح اور طالبان کی شکست فاش کا اعلان کردیتے اور کچھ اسی طرح کی خوش فہمی امریکہ نے بھی پال لی اور چند مہینوں یا چند ہفتوں میں اس جنگ کے خاتمہ اور طالبان کی متوقع شکست کا اعلان کردیا، جنگ کے نقشہ اور ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے یہ بات کچھ ناممکن بھی نہیں لگ رہی تھی۔

لیکن اقوام وملل کی تاریخ اور بالخصوص افغانیوں کی ہمت وجواں مردی اور ان کی غیر معمولی جفاکشی ودلیری کو دیکھتے ہوئے اور ان کی ماضی قریب کی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے یہ دعوائے فتح وشکست اس قدر یقینی وحتمی اور فطری ونظری نہ تھا۔

ان غیور وجفاکش افغانیوں نے امریکہ کو جلد ہی دن میں تارے دکھادیے اور امریکہ کو لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کردیا۔

امریکہ کو اپنی فتح کا دعوی کرنے سے قبل کم ازکم ماضی قریب میں اشتراکی روس کے انجام وحشر پر نظر ڈالنی چاہیے تھی کہ انھیں غیرت منداور دلیر افغانیوں نے دنیا کی دوسری سپر پاور روس کو نہ صرف شرمناک شکست سے دوچار کیا تھا، بلکہ اس کی شکست وریخت اور ٹوٹ پھوٹ میں اہم کردار ادا کیا تھا، روس اپنی اس ہزیمت اور سوویت یونین کے بکھراؤ کو آج تک فراموش نہیں کرسکا، یہ اس کی تاریخ کا ایک بھیانک اور ناقابل یقین واقعہ تھا، ۸۰ کی دہائی میں چلنے والی اور تقریباً دس سال تک جاری رہنے والی اس جنگ نے روس کو نہ صرف اقتصادی اعتبار سے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا بلکہ اس کے حوصلوں کو توڑنے کا بھی کام کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے دوسری سپر پاور ہونے کا تمغہ چھن گیا اور امریکہ دنیا کا واحد سپر پاور بن کر اس یک قطبی دنیا کا بلاشرکت غیرے مالک بن گیا اور اس کے غرور میں اضافہ ہوگیا اور اسی غرور ونخوت نے اس کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ وہ دنیا میں جو چاہے وہ کرسکتا ہے اور کسی بھی ملک کی عزت ووقار اور اس کی خودداری وسالمیت پر حملہ کرسکتا ہے جس وقت افغانستان پر امریکی انتظامیہ نے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اس وقت کے امریکی سربراہوں کے متکبرانہ بیانات کو دیکھ کر بخوبی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس وقت جارج ڈبلو بش کی قیادت میں امریکہ کا دماغ ساتویں آسمان پر تھا اور اس وقت وہ اپنے آپ کو دنیا کی قسمتوں کا مالک سمجھ بیٹھا تھا، جس کے زیر اثر جارج ڈبلو بش نے پوری مسلم دنیا کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کردیا تھا، چنانچہ اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے اسامہ بن لادن کے خلاف اس جنگ کو **"کروسیڈ وار"** یعنی صلیبی جنگ کا نام دے دیا تھا، حالانکہ اس کے انجام وعواقب اور نتائج بد پر غور کرنے کے بعد اپنے اس بیان کو سبقت لسانی کا نام دے کر رجوع بھی کرلیا تھا، بہرحال جس شان وشوکت اور جس لاؤلشکر کے ساتھ افغانستان جیسی ایک کمزور حکومت کے خلاف امریکہ نے جنگ شروع کی تھی اس

کا دنیا کے نقشہ سے نام ونشان مٹ جانا چاہیے تھا، لیکن امریکہ کی بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا بلکہ اگر کہا جائے تو صحیح یہ ہے کہ طالبان پہلے سے زیادہ مضبوط وسخت جان بن کر ابھرے اور انھوں نے امریکہ کو ہزیمت وپسپائی اختیار کرنے اور اپنا بوریہ بستر گول کرنے پر مجبور کر دیا۔

کہا جاسکتا ہے کہ ۸۰ کی دہائی میں اگر ان کے سامنے دوسری سپر پاور کی حیثیت سے اشترا کی روس تھا تو اس وقت ان کو پاکستان اور امریکہ کی علانیہ مدد بھی حاصل تھی، پاکستان اگر ان کو فوجی تربیت دے رہا تھا تو امریکہ ان کو جدید اسلحوں سے لیس کر کے انھیں کیل کانٹے سے درست کر رہا تھا اس لیے انھیں روس کو شکست دینے میں مدد ملی، اس کے برعکس جب امریکہ نے اس پر حملہ کیا تو پوری دنیا ان کی مخالف ہو چکی تھی، کچھ تو خود طالبان کی حرکتوں کی وجہ سے جن کی شدت پسندی نے دنیا کے ایک بڑے حصہ کو ان کا مخالف ودشمن بنایا ان ملکوں میں اسلامی ممالک بھی شامل تھے اور کچھ ممالک امریکہ کے خوف سے یا تو اس کے حلیف بنے یا خاموش رہے، پاکستان جو طالبان کا سب سے بڑا حلیف اور معاون تھا اسے امریکہ نے پرویز مشرف کے عہد حکومت میں ایک ہی جھٹکے میں خاموش کر دیا اور اس کے ساتھ چار و ناچار تعاون کرنے پر آمادہ کر دیا، اس وقت امریکی سربراہوں کی خودسری اور رعونت کا حال یہ تھا کہ امریکی وزیر دفاع نے کہا کہ اگر پاکستان نے ہمارے ساتھ تعاون نہیں کیا اور ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کیے تو ہم اس پر بمباری کر کے اسے کھنڈر بنادیں گے اور اسے پتھر کے عہد میں پہنچا دیں گے، جارج ڈبلیو بش نے دنیا کے تمام ملکوں کے لیے غیر جانبدار رہنے کا راستہ بند کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ دنیا کا کوئی بھی ملک جو ہمارے ساتھ نہیں وہ دہشت گردوں کے ساتھ ہے۔

نائن الیون کے پس منظر اور پیش منظر پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے جس کی تفصیلات کے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں، اس حملہ میں جس میں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق تین ہزار لوگ مارے گئے اور اربوں کی املاک کا نقصان ہوا، اس کے پیچھے القاعدہ یا طالبان کا ہی ہاتھ تھا، اس دعوی کو آج تک ثابت نہیں کیا جاسکا، اور بغیر کسی ثبوت کے ہی ایک آزاد ملک کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے اقدامات کیے جانے لگے، پوری دنیا خاموش تماشائی بنی رہی، کسی بھی ملک کو اس فیصلہ کے خلاف آواز اٹھانے کی مجال نہ تھی، اس وقت ہر شخص یہ مان چکا تھا کہ جلد ہی طالبان کا نام ونشان مٹ جائے گا اور امریکہ فاتح وکامران ہو کر اپنے جانی ومالی نقصان کا بدلہ لے لے گا، لیکن ایسا نہ ہو سکا اور جو جنگ امریکہ چند دنوں، ہفتوں یا چند مہینوں میں جیتنے کا اعلان کر رہا تھا وہ طول کھینچتی گئی اور ہر روز امریکہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان اور تباہی وبربادی کی نئی داستان کا ہولناک عنوان بن کر سامنے آتی گئی، افغانستان صحیح معنی میں بعد میں جنگ وجدل کا میدان بنا اور اس میدان کا رزار سے امریکی فوجیوں کی لاشیں روز امریکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں اور اس بے مقصد ولاحاصل جنگ میں امریکہ کا اربوں ڈالر سالانہ کا نقصان ہونے لگا جس نے پورے ملک میں کہرام مچا دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے افغانستان پر امریکی حملہ کو بیس سال گزر گئے اور اس جنگ کے فاتحانہ اختتام کے بجائے امریکی فوجوں اور اس کے اربوں ڈالر کے فوجی ساز وسامان کو افغانستان

کے میدان جنگ سے بحفاظت نکال لیناہی امریکہ اپنی آخری کامیابی سمجھنے لگا، اس بیس سال کے لاحاصل جنگ کے آخری چند برسوں میں امریکہ کوشدت سے اس بات کااحساس ہونے لگا کہ وہ کبھی اس جنگ کو جیت نہیں سکتا، کیونکہ اس کے سامنے وہ سخت جان وجفاکش قوم ہے جس کے سامنے گنوانے کے لیے کچھ نہیں، وہ عیش وعشرت کی عادی نہیں، وہ دشوارگزار گھاٹیوں اورناقابل عبورگزرگاہوں وپہاڑوں میں بھی اسی سکون کے ساتھ رہ سکتی ہے جس قدرسکون کے ساتھ عام آدمی شہری تعیشات اورنازونعم کے لوازمات کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتا، اس کا مسکن قصرسلطانی نہیں بلکہ وادی خارزار ہے، شاید ایسی ہی قوم کے بارے میں علامہ اقبال نے کہاتھا ۔

نہیں تیرا نشیمن قصرسلطانی کے گنبد پر
توشاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

امریکہ کوجلد ہی اندازہ ہوگیا کہ وہ اس معرکہ حق وباطل کوسرکرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے بالمقابل وہ قوم ہے جوموت کوبھی اسی قدرعزیز سمجھتی ہے جس قدرعزیز ہرعام آدمی زندگی کوسمجھتا ہے۔

اس احساس کے ساتھ امریکہ نے افغانستان سے بحفاظت واپسی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کردیا اور وہ ملک جوافغانستان پرفوج کشی کے وقت جنگ ہی کو ہر مسئلہ کاحل سمجھتا تھا اوراسی میں اپنے جوش انتقام کی تسکین کاسامان سمجھتا تھا اس نے امن وسلامتی اورصلح وآشتی کا راگ الاپنا شروع کردیا اورفریقین کے درمیان مذاکرات اورگفت وشنید اورامن معاہدوں کوہی مسئلہ کاحل ہونے کی بات کرنے لگا۔

قطر کی راجدھانی دوحہ میں مذاکرات کے کئی دور چلے اورکچھ نقاط پراتفاق رائے ہوگیا اورگذشتہ سال فروری میں امن معاہدوں پردستخط ہوگئے، اس معاہدہ کے تحت امریکہ نے پورے افغانستان سے باعزت انخلاء کومنظورکرلیا، لیکن یہ کتنا باعزت تھاوہ اہل نظرہی جانتے ہیں اس صورت حال کانقشہ توبس غالب کے اسی شعر سے سمجھ میں آسکتا ہے ۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آتے ہیں لیکن
بڑے بےآبروہوکر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

یہ حقیقت ہے کہ امریکہ اپنا ہوش ربا جانی ومالی نقصان اٹھانے کے بعد افغانستان سے خالی ہاتھ گیا، بےنیل مرام گیا اوربحفاظت واپسی کے لیے بھی طالبان کی نظرعنایت کامحتاج رہا، معاہدہ کادوسرا جزو یہی تھا کہ طالبان امریکی فوجوں کو بحفاظت واپسی کاراستہ دے دیں اورآج سے ایک دوسرے پرحملے بندکردیں، دونوں نے معاہدوں کی پاسداری کی یعنی طالبان نے امریکی فوجوں پرحملے بندکردیے اورامریکہ نے اپنابوریہ بستر باندھنااورکوچ کی تیاری کرنا شروع کردیا، کیا اس میں دنیا بھرکی رسوائی وجگ ہنسائی کاسامان نہیں تھا کہ ایک سپرپاورملک ایک کمزور ملک سے شکست خوردہ وہزیمت یافتہ ہوکر خالی ہاتھ جارہاہے اوراپنے فوجیوں کے زندہ سلامت نکل جانے کوہی اپنی کامیابی سمجھ رہاہے۔

یہاں پرامریکی ناکامیوں اوراس کی شکست خوردگی کا تھوڑا سابیان دلچسپی سے خالی نہیں ہوناچاہیے، جس نے امریکہ کو اس قدرخائف وہراساں اورلرزہ براندام کردیا کہ وہ افغانستان

سے نکل جانے کے لیے طالبان کی ہر شرط تسلیم کرنے پر تیار ہوگیا، تو ہمیں اختصار کے ساتھ ان امریکی جانی ومالی نقصانات کا جائزہ لے لینا چاہیے جو اسے طالبان کے ہاتھوں اٹھانے پڑے۔

گیارہ ستمبر ۲۰۲۱ء کو القاعدہ کے ذریعہ امریکہ پر کیے جانے والے حملہ کو بیس سال مکمل ہوجائیں گے جس کی انتقامی کارروائی کے طور پر امریکہ نے افغانستان پر غیظ وغضب اور اشتعال اور جوش انتقام کے ساتھ بھر پور حملہ کیا، اس نے اس آپریشن کے لیے اپنے تباہ کن فوجی ساز وسامان کے ساتھ ایک لاکھ فوجیوں کو استعمال کیا، ناٹو کے ممبر ممالک کے کئی ہزار دیگر فوجی اس کے علاوہ تھے، امریکہ نے اس جنگ میں اپنے جدید ترین اسلحوں کا استعمال کیا اور اس کو جیتنے کے لیے بے دریغ پیسہ بہایا، لیکن اس کو حاصل کچھ نہ ہوا بلکہ یہ جنگ اس کی ناکامیوں کی تاریخ میں نمایاں طور سے یاد رکھی جائے گی۔

اس بے سود جنگ کے دوران صرف ۲۰۱۹ء تک امریکی اعترافات کے مطابق بھی دو ہزار چار سو بیالیس امریکی فوجی اور تین ہزار آٹھ سو غیر فوجی امریکی اہلکار ہلاک ہوئے دیگر حلیف ملکوں کے گیارہ سو چوالیس فوجی اس کے علاوہ ہیں، مہلوک امریکی فوجیوں کے علاوہ بیس ہزار سے زیادہ فوجی شدید زخمی بھی ہوئے ہیں، دوسرے غیر سرکاری ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق امریکی فوجیوں کا جانی نقصان اس سے کہیں زیادہ ہے، لیکن اصل تعداد بتا کر امریکی وزارت دفاع فوجیوں کا حوصلہ توڑنا اور اپنے شہریوں کو خائف کرنا نہیں چاہتی، بہر حال اگر مہلوکین کی اس سرکاری تعداد کو ہی درست مان لیا جائے تو جدید ترین تباہ کن اسلحوں سے لیس فوجیوں کا مقابلہ معمولی درجہ کے اسلحوں سے لیس طالبان کے ہاتھوں اس طرح ہلاک کیا جانا ایک بڑا نقصان اور حیرت ناک وعبرت ناک ہے۔

ان امریکی وغیر ملکی فوجیوں کے علاوہ افغانستان کے سرکاری فورسز کے جوان بہت بڑی تعداد میں اس بے مقصد وبے نتیجہ جنگ میں کام آئے، افغان صدر اشرف غنی نے ۲۰۱۹ء کے آخر میں ہی کہا تھا کہ ۲۰۱۴ء میں ان کے صدر بننے کے وقت سے لے کر آج تک یعنی صرف ۵ سال میں ۴۵ ہزار افغان فوجی ہلاک ہوئے ہیں، جب کہ ایک دوسری رپورٹ کے مطابق اس دوران ۷۰ ہزار افغان فوجی اور ۴۷ ہزار عام شہری ہلاک ہوئے ہیں، افغان سیکورٹی اہلکاروں کے پاس بھی امریکہ کا دیا ہوا طالبان سے جدید تر اور ہر طرح بہتر وبرتر اسلحہ تھا لیکن طالبان کے جذبوں کے سامنے ان کو شکست پر شکست ہوتی گئی اور وہ حفاظتی چوکیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے گئے اور طالبان ان پر قبضہ کرتے گئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عملی طور پر ملک کے ۶۰ فیصد سے زائد رقبہ پر طالبان کا قبضہ ہو چکا ہے اور دارالحکومت کابل کے علاوہ صرف چند صوبوں تک ہی اشرف غنی حکومت کا مکمل کنٹرول ہے اور یہ سب امریکی فوجیوں کی موجودگی میں ہوتا رہا اور اب جب کہ یکم ۲ر جولائی کو امریکی فوجیوں نے بلگرام ائربیس کو خالی کر دیا تو طالبان نے اس انخلا کے صرف ۲۴ گھنٹوں کے اندر افغانستان کے ۱۳ر ضلعوں پر ایک ساتھ قبضہ کر لیا اور وہ اب دارالحکومت کابل سے زیادہ دور نہیں، اگر آئندہ چند دنوں میں کابل ان کے زیر اقتدار آجائے تو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

امریکہ نے اپنی تاریخ کے اس طویل ترین جنگ میں حاصل کچھ نہیں کیا لیکن گنوا بہت کچھ دیا، اس کے اپنے فوجیوں کا جانی نقصان تو اتنا زیادہ نہیں ہوا لیکن جو بھی ہوا اس کے فوجیوں کے تابوت جب امریکہ میں پہنچتے تھے تو وہاں کہرام مچ جاتا تھا، لیکن جانی نقصان کے مقابلہ میں مالی نقصان بہت ہی ہوش ربا تھا، امریکی محکمہ دفاع کے مطابق افغانستان میں جنگ شروع ہونے (اکتوبر ۲۰۰۱ء) سے لے کر جنگ بندی معاہدہ ہونے (ستمبر ۲۰۱۹ء) تک مجموعی طور پر 778 بلین ڈالر خرچ کیے گئے، یہ سات کھرب 78 ارب ڈالر کی رقم افغانستان جیسے ملک میں جنگ کے لیے کیا کافی خطیر نہیں ہے جہاں امریکہ کو حاصل کچھ ہونے والا نہیں تھا اور اس کا بہت کچھ داؤں پر لگا تھا یہ صرف اس کی بالادستی اور انا کی جنگ تھی اور خطہ کو اپنی فوجی قوت سے خوف و دہشت میں مبتلا رکھنے کا اس کا خبط تھا، لیکن اس میں اس کو کامیابی نہیں ملی، بلکہ اس کی عزت نفس کا جنازہ نکل گیا کیونکہ جس طالبان کو امریکہ ہی نہیں پوری مغربی دنیا دہشت گرد قرار دیتے نہیں تھکتی تھی اسی طالبان یا بقول مغرب دہشت گردوں کے سامنے مذاکرات کی میز پر بیٹھنے پر وہ مجبور ہوا۔

بہر حال اس جنگ کے مصارف کے طور پر امریکہ کے اوسطا سالانہ چالیس ارب ڈالر خرچ ہو رہے تھے، جب کہ ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۲ء کے درمیان جب امریکی فوجیوں کی تعداد افغانستان میں ایک لاکھ پہنچ چکی تھی تو سالانہ ایک کھرب ڈالر کے مصارف ہو رہے تھے۔

یہ تفصیلات تو امریکی محکمہ دفاع کے فراہم کردہ ہیں ورنہ جنگ کے علاوہ افغانستان کی باز آبادکاری وہاں کے انفرا اسٹرکچر کی درستگی، خستہ حال سڑکوں اور بجلی پانی کے نظام کی بہتری، تباہ حال عمارتوں کی تعمیر نو، منشیات کی روک تھام اور پاکستان کو کی جانے والی ادائیگی سمیت دیگر کئی غیر فوجی مدات میں اربوں ڈالر کے مصارف کا بار امریکہ کو ہی برداشت کرنا پڑ رہا تھا، اس طرح ایک غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق افغانستان کی جنگ میں ۲۰۱۹ء تک امریکہ کو بیس کھرب ڈالر خرچ کرنا پڑا ہے، یہ رپورٹ براؤن یونیورسٹی میں کوسٹ آف وار Cost Of War نامی پروجیکٹ نے جاری کیا ہے۔

اس طرح یہ پوری جنگ امریکہ کے لیے اس قدر خسارہ کا سودا ثابت ہوئی کہ شاید اس نقصان کو اس کی آئندہ آنے والی نسلیں بھول نہیں پائیں گی، اسی طرح جانی و مالی نقصان کے علاوہ یہ جنگ اس کی عزت نفس کے لیے ایک تازیانہ ثابت ہوئی جب اس کو بے آبرو ہو کر افغانستان سے نکلنا پڑا۔

اس نے ۲/جولائی کو بگرام ائربیس خالی کر دیا جسے روسیوں نے تعمیر کیا تھا اور جو امریکہ کی فوجی بالادستی کا ایک نشان تھا، اس کا فوجی ساز و سامان تو امریکہ منتقل کر دیا گیا اور فوجیوں کے وہاں سے رخصتی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے جو معاہدہ کے مطابق ۱۱/ستمبر کو پایۂ تکمیل تک پہنچے گا، یعنی بقول داغ دہلوی ؎

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

(بگرام ائربیس کے متعلق کچھ حقائق آئندہ شمارہ میں ان شاءاللہ)

(جاری)

❀❀❀

مقالات:

مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ

قربانی کے احکام ومسائل

قربانی کامفہوم:

اردو زبان میں 'قربانی' کا لفظ خاص ذبیحہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، جسے اللہ کے تقرب کے لئے مسلمان عید الأضحیٰ اورایام تشریق میں ذبح کرتے ہیں،لیکن لفظ''قربان'' عربی زبان میں اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے عام ہے اوراس کا اطلاق ہراس نیک عمل پر ہوتا ہے جس سے اللہ تعالی کا تقرب حاصل کیا جائے، چنانچہ صاحب'' القاموس المحیط'' نے لکھا ہے کہ''القُربان ۔ بالضم ۔ ما یتقرب به إلی الله تعالی '' قربان ۔ق کے ضمہ کے ساتھ ۔ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔اور تفسیر جامع البیان میں ہے کہ''القُربان اسم لکل ما یتقرب به إلی الله من ذبیحة و غیرها ''یعنی قربان ہراس عمل کوکہا جاتا ہے جس سے اللہ کی قربت حاصل کی جائے خواہ یہ عمل جانور ذبح کرنے کی شکل میں ہو یا اس کے علاوہ۔

قرآن کریم میں بھی لفظ''قربان'' اسی لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے اسی لفظ کا استعمال کیا ہے، ارشاد ہوا﴿وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا... ﴾(المائدة:٢٧) ترجمہ: اورآدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انھیں سنادو جب ان دونوں نے ایک قربانی پیش کی۔

اورتفسیروں میں ذکر ہے کہ ایک بیٹے (ہابیل) نے دُنبہ کی اور دوسرے بیٹے (قابیل) نے اناج کی بالیوں کی قربانی اللہ کے حضور پیش کی تھی۔(فتح القدیر و جامع البیان)

ہم مسلمان اردو زبان میں جس لفظ قربانی کو ذبیحہ کے مخصوص معنی میں استعمال کرتے ہیں قرآن وسنت میں اس کے لئے کئی الفاظ مستعمل ہوئے ہیں:

☆**أضحية** :احادیث مبارکہ میں قربانی کے تعلق سے بالعموم اسی لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

☆**نُسُک یا مَنسَک**: قرآن کریم میں ان الفاظ کا استعمال قربانی کے لئے مندرجہ ذیل آیات میں ہوا ہے:

(١)﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ....﴾ (الأنعام: ١٦٢) ترجمہ:''آپ فرمادیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے''۔

(٢)﴿ وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الأَنْعَامِ...﴾ (الحج: ٣٤) ترجمہ:''اورہم نے ہر امت کے لئے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دئے ہیں''۔

حدیث میں بھی لفظ''نسک'' استعمال ہوا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ ".... و من ذبح بعد الصلاة فقد تم نُسُكه و أصاب

سنة المسلمین‘‘، یعنی جس نے (قربانی کا جانور) نماز (عید) کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔(بخاری و مسلم)

☆**ذِبح**: یہ لفظ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے واقعہ کے ضمن میں استعمال ہوا ہے ﴿وَ فَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ﴾ (الصافات: ۱۰۷) ترجمہ: ’’اور ہم نے اسے ایک بڑا ذبیحہ (قربانی کے لئے) اس کے فدیہ میں دے دیا‘‘۔

متعدد احادیث میں اس لفظ کے مشتقات کا بھی ذکر ہوا ہے، چنانچہ اوپر گذری ہوئی حدیث میں ’’و من ذبح‘‘ کا لفظ وارد ہوا ہے، اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”من کان ذبح قبل أن یصلی فلیذبح مکانه أخریٰ (بخاری و مسلم) یعنی جس نے نماز سے پہلے قربانی کرڈالی اسے اس کے بدلہ میں دوسری قربانی کرنی ہوگی۔

☆**نَحر**: یہ لفظ بھی قرآن کریم میں وارد ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر: ۲) ترجمہ: ’’پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر‘‘۔

قربانی کی مشروعیت:

قربانی کا حکم قرآن کریم کی سورۂ کوثر میں صراحت کے ساتھ ہے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ ترجمہ: ’’پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر‘‘۔ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرمایا کہ ’’.... یہاں نحر سے مراد: مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ وخیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقعہ پر منیٰ میں اور عیدالأضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کرنا سب شامل ہے۔‘‘

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ مفسرین نے ’’نحر‘‘ کا معنی قربانی ذکر کیا ہے، اس کے بعد موصوف نے قربانی کی مشروعیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع نقل فرمایا ’’و أجمع المسلمون علی مشروعیة الأضحیة‘‘ (المغنی: ۸/۶۲۷)

احادیث مبارکہ کے ذخیرہ میں قربانی کی مشروعیت کے تعلق سے کئی حدیثیں ہیں، مثلاً: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ’’کان النبی ﷺ یضحّی بکبشین و أنا أضحی بکبشین‘‘ (بخاری) ترجمہ: نبی کریم ﷺ دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی دو دنبوں کی قربانی کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ’’من وجد سعة فلم یضحّ فلا یقربن مصلانا‘‘ (صحیح/ابن ماجه: ۲۵۳۲) ترجمہ: جسے (قربانی) کی وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب ہرگز نہ آئے۔

قربانی کا حکم:

قربانی کی مشروعیت پر اتفاق کے باوجود اس کے حکم کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، احناف نے اسے ہر صاحب استطاعت مسلمان کے لئے واجب قرار دیا ہے، اور سورۃ الکوثر کی آیت سے انھوں نے استدلال کیا ہے، تاہم سنت موکدہ کہنے والوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں حکم قربانی کے وجوب اور فرضیت کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس میں غیر اللہ کو چھوڑ کر صرف اللہ کے لئے قربانی کا حکم ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے، اسی طرح جمہور علماء اور علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وجوب کی کوئی دلیل ثابت نہیں۔ اس بناء پر علماء اہل حدیث بھی وجوب کے بجائے اس کے سنت موکدہ ہونے کے قائل ہیں، شیخ الحدیث علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے مفصل

بحث کے بعد لکھا کہ ’’ **وقد ظهر بما ذكرنا رجحانُ قولِ من ذهب إلى أن الأضحية سنةٌ مؤكدةٌ غير واجبةٍ، يكره تركُها لمن يقدر عليها، و وهن قولُ من ذهب إلى وجوبها**‘‘ ۔(مرعاة المفاتيح: ۳۵۰/۲) ۔یعنی ذکر کردہ دلائل کی روشنی میں ان لوگوں کے قول کا راجح ہونا واضح ہوگیا جو قربانی کو واجب نہ قرار دے کر اسے ایسی سنت موکدہ کہتے ہیں جس کا ترک صاحب استطاعت شخص کے لئے مکروہ ہے،اوران لوگوں کی رائے کا ضعف بھی نمایاں ہوگیا جو قربانی کوواجب قرار دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے قربانی کے تعلق سے اپنی صحیح میں باب قائم فرمایا ’’ **باب سنة الأضحية**‘‘ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ اثر نقل کیا ’’ **هي سنة و معروف** ‘‘یعنی قربانی سنت ہے اور یہ بات معروف ہے، پھر یہ حدیث ذکر فرمائی ’’ **من ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه و أصاب سنة المسلمين**‘‘ یعنی جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پوری ہوگئی اوراس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کے سنت موکدہ ہونے کی صراحت کی ہے، اور اپنی ’’جامع‘‘ میں باب باندھا ’’ **الدليل على أن الأضحية سنة** ‘‘ پھراس روایت کونقل فرمایا ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ قربانی فرض ہے یا سنت؟ تو انھوں نے صرف اتنا فرمایا کہ ’’ **ضحّى رسول الله ﷺ و المسلمون** ‘‘یعنی قربانی اللہ کے رسول ﷺ نے کیا اور تمام مسلمانوں نے کیا۔اس کے بعد امام ترمذی نے لکھا ’’ **و العمل على هذا عند أهل العلم أن الأضحية ليست بواجبة و لكنها سنة من سنن النبي ﷺ يستحب أن يعمل بها، و هو قول سفيان الثوري و ابن المبارك** ‘‘یعنی اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے جس پر عمل کرنا مستحب ہے، یہی سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک کا قول بھی ہے۔ (سنن ترمذی)

جن لوگوں نے قربانی کو واجب کے بجائے سنت موکدہ کہا ہے ان کا استدلال صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص قربانی کا ارادہ رکھے اور (ذی الحجہ کا) عشرہ آجائے تو وہ اپنا بال اور ناخن کچھ بھی نہ کاٹے‘‘ (صحیح مسلم) اس حدیث سے ان حضرات کا استدلال اس طرح ہے کہ یہاں قربانی کو ارادہ کے ساتھ معلّق کیا گیا ہے، اگر قربانی واجب اور فرض ہوتی تو اسے ارادہ اور خواہش پر موقوف و معلق نہ کیا جاتا، اس لئے کہ کسی واجب کے بارے میں کسی کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔

کیا قربانی ہر گھر پر ہے یا گھر کے ہر فرد پر؟

صحیح حدیثوں کی روشنی میں راجح قول یہی ہے کہ ایک جانور کی قربانی تمام اہل خانہ کے لئے کفایت کر جائے گی، چنانچہ احناف کو چھوڑ کر امام مالک، امام اوزاعی، لیث، ابن قیم، شوکانی رحمہم اللہ وغیرہم کا یہی قول ہے، اور دلیل میں ان حضرات نے یہ حدیث پیش کی ہے کہ حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قربانیاں کیسے کی جاتی تھیں؟ تو انھوں نے فرمایا ’’ **كان الرجل في عهد النبي ﷺ يضحّى بالشاة عنه و عن أهل بيته** ‘‘ یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے عہد مبارک میں آدمی بکری کی قربانی اپنی جانب سے اور اپنے تمام اہل خانہ کی جانب سے

کرتا تھا۔(صحیح/ ابن ماجہ:٢٥٤٦)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

دراصل ایک ضعیف ترین روایت جو عوام کیا خواص اور پڑھے لکھے لوگوں تک میں بہت مشہور ہے کہ ”**عظموا ضحایاکم، فإنها علی الصراط مطایاکم**“ یعنی اپنی قربانیوں کو خوب بڑا اور فربہ کرو اس لئے کہ یہ پل صراط پر تمھاری سواریاں ہوں گی۔ یہ حدیث بے حد ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ (الضعیفة: ٢/١،حدیث ٧٤)

اس ضعیف روایت سے خواہ مخواہ ذہن میں یہ تصور قائم کرلیا گیا کہ اگر الگ الگ ہر ہر فرد کی جانب سے قربانیاں نہ کی جائیں گی اور صرف گھر کے ذمہ دار ہی کی طرف سے ہر سال قربانی ہوگی تو گھر کے دوسرے افراد پل صراط پر سواری والی سعادت اور سہولت سے محروم رہیں گے اور اس کا فائدہ صرف گھر کے مالک تک سمٹ کر رہ جائے گا۔اس تصور کی بناء پر بھی لوگ باری باری جملہ اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، لیکن جب اس تصور کی بنیاد ہی کمزور ہے تو اس پر اٹھائی گئی دیوار ٹھیک اور پائدار کیوں کر ہوگی؟ اس لئے سنت یہی ہے کہ قربانی گھر کے ہر ہر فرد کی جانب سے کرنے کے بجائے گھر کے ذمہ دار اور جملہ افراد خانہ کی طرف سے ایک ساتھ کی جائے، اجروثواب میں سبھی برابر کے شریک ہوں گے۔

کن جانوروں کی قربانی مشروع ہے؟

علماء وفقہاء کے صحیح قول کے مطابق قربانی صرف ان جانوروں کی مشروع ہے جن پر ”**بھیمة الأنعام**“ کا اطلاق ہوتا ہے، اور باتفاق علماء، فقہاء اور مفسرین وہ چار قسم کے جانور ہیں، ان کی صراحت قرآن کریم میں بھی آئی ہوئی ہے:۔(۱) اونٹ (۲) گائے (۳) بکری (۴) بھیڑ۔اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ﴿ **وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ...** ﴾ (الحج: ٣٤) ترجمہ:”اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں“۔

اور سورۃ **الأنعام** میں اللہ تعالی نے اَنعام کی تفصیلات کے ضمن میں بھی انھیں چاروں چوپایہ جانوروں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے نر مادہ دونوں کو ملا کر آٹھ اصناف بتائے ہیں، گوکہ یہ بیان قربانی کے حوالہ سے نہیں تاہم **الأنعام** کی تفصیلات اس سے بخوبی سامنے آجاتی ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کو مذکورہ جانوروں میں سے جس کی قربانی میسر ہو کرنی چاہئے، جن مقامات پر گائے کے ذبیحہ پر پابندی ہے وہاں کے مسلمانوں کو اس کی قربانی سے احتراز کرنا چاہئے، مبادا تقرب الہی کے حصول کا یہ ذریعہ مسلمانوں کے لئے فتنہ نہ بن جائے، اللہ بڑا حکیم ہے، اس کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں، قربانی کے لئے ایک ہی صنف کے جانور کی تخصیص نہ کرکے چار اصناف کے جانوروں تک جو وسعت دی گئی ہے وہ بھی اسی حکمت الہیہ کا حصہ ہے، اگر ایک جانور میں کوئی دقت اور زحمت ہے تو دیگر متبادل موجود ہیں۔

بھینس کی قربانی؟

بھینس کی قربانی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، تاہم یہ بات قطعی ہے کہ کسی بھی نص میں بھینس کی قربانی کا ذکر وارد نہیں، البتہ جن علماء نے بھینس کی قربانی جائز قرار دی ہے انھوں نے اسے گائے کی ایک قسم قرار دیا ہے، مگر یہ درست نہیں، اس لئے کہ گائے اور بھینس دونوں کے رنگ، روپ، مزاج اور دودھ کی تاثیر اور

دوسری چیزوں میں بڑا نمایاں فرق پایا جاتا ہے، جن لوگوں نے بھینس کی قربانی کو درست نہیں مانا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ **بھیمة الأنعام** کا اطلاق بھینس پر نہیں ہوتا، اس لئے اس کا کھانا تو جائز ہے مگر اس کی قربانی مشروع نہیں۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ بھینس کی قربانی سے احتراز کیا جائے اور اگر استطاعت ہو تو بکرا، بکری، بھیڑ، بھیڑی یا اونٹ ہی کی قربانی کی جائے۔

شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ’’ **و الأحوط عندی أن یقتصر الرجل فی الأضحیة علی ما ثبتت بالسنة الصحیحة قولا و فعلاو تقریرا، و لا یلتفت إلی ما لم ینقل عن النبی ﷺ و لا الصحابة و التابعین رضی اللہ عنھم** ‘‘ یعنی میرے نزدیک زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ آدمی صرف ان جانوروں کی قربانی پر اکتفا کرے جن کا ثبوت صحیح حدیثوں سے قولاً، فعلاً اور تقریراً ہے، اور ایسے جانورں کی قربانی کا ارادہ نہ کرے جن کی قربانی نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے۔

(مرعاة المفاتیح: ۲/ ۳۵٤)

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، امام احمد بن حنبل، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا خیال ہے کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی، پھر گائے کی، پھر دنبہ اور بکرا کی ہے، بشرطیکہ اونٹ اور گائے کی قربانی ایک شخص کی جانب سے ہو اور ان میں شرکت نہ ہو۔ ان حضرات کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن پہلے آنے والوں کی فضیلت اور ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل جنابت کیا، پھر پہلی گھڑی میں مسجد آیا تو اسے ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا، اور جو دوسری گھڑی میں آیا اسے گائے کی قربانی کا ثواب دیا جائے گا، اور جو شخص اس کے بعد آیا اسے ایک دنبہ کی قربانی کا ثواب ملے گا، پھر اسی طرح بعد میں آنے والوں کے ثواب کا ذکر ہے یہاں تک کہ خطیب خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے۔ (بخاری و مسلم)

افضلیت اور زیادہ ثواب کے لئے مذکورہ حدیث میں جانوروں کی جس ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ علماء کا خیال ہے کہ نُسک اور قربانی میں بھی افضلیت کی یہی ترتیب ہوگی۔

بعض علماء نے دنبہ اور بعض نے ’’جذعۂ ضان‘‘ کی قربانی کو افضل بتایا ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ ’’ آپ ﷺ نے دو سینگ والے مینڈھوں (دُنبوں) کی قربانی کی‘‘، نیز ایک روایت میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ذکر ہوا ہے کہ ’’**نعمت الأضحیة الجذع من الضأن**‘‘ یعنی بھیڑ کا جذعہ قربانی کے لئے بہت اچھا ہے۔ یہ جامع ترمذی کی روایت ہے، اور امام ترمذی نے خود اسے ’’غریب‘‘ قرار دے کر اس کے ضعف کی جانب اشارہ فرمادیا ہے، نیز محققین علماء کے نزدیک اس روایت کا مرفوع کے مقابلہ موقوف ہونا ہی صحیح ہے، شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مفہوم کے تعلق سے لکھا کہ ’’اس سے قربانی کے لئے مطلقاً ’’جذعۂ ضان‘‘ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ’’جذعۂ ضان‘‘ کی قربانی جائز ہے اور ’’جذعۂ معز‘‘ کی قربانی درست نہیں‘‘: ’’**مدحه** ﷺ **لیعلم الناس أنه جائز فی الأضحیة بخلاف الجذع من المعز فإنھا لاتجزئ**‘‘۔ (تفصیل کے لئے مرعاة

المفاتیح:۲/ ۳٦۱ ملاحظہ کریں)

جذعۂ ضأن: بھیڑ کا بچہ جب ایک سال کامکمل ہوکر دوسرے سال میں قدم رکھ دے۔

جذعۂ معز: بکری کا وہ بچہ جو مکمل ایک سال کا ہو جائے اور دوسرے سال میں قدم رکھ دے۔(تفصیل کے لئے فتح الباری ،شرح صحیح مسلم للنووی،تحفة الأحوذی اور دیگر شروحات حدیث کی جانب رجوع کیا جائے)

قربانی کے جانوروں میں شرکت:

احادیث کے مطابق بکرے اور بھیڑ ودنبہ میں شرکت نہیں،ان جانوروں کی قربانی ایک تصور ہوگی اور صرف ایک گھر کی جانب سے کفایت کرے گی،البتہ اونٹ اور گائے میں ایک سے زائد لوگ شریک ہوسکتے ہیں،اونٹ میں دس اور گائے میں سات لوگ شریک ہوسکتے ہیں،بعض روایات کے اندر اونٹ میں بھی سات حصوں کا ذکر وارد ہوا ہے، کچھ علماء نے اسے توسع پر محمول کیا ہے،یعنی اونٹ میں سات گھرانے بھی شریک ہوسکتے ہیں اور دس گھر والے بھی اور بعض نے سات والی روایت کو "ھَدْی" پر محمول کیا ہے اور دس والی روایت کو قربانی پر۔

بڑے جانوروں کی قربانی اگر کوئی تنہا بغیر کسی اور کو شریک کئے کرے تو جائز ہی نہیں افضل ہے،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ:" أن رسول الله ﷺ نحر عن آل محمد فی حجة الوداع بقرةً واحدةً "یعنی حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے آل محمد کی جانب سے ایک گائے کی قربانی فرمائی۔ (صحیح ابن ماجه:۳۱۳۵،صحیح سنن أبی داؤد:١۵۳٦)

قربانی کے جانور میں مطلوبہ اوصاف:

احادیث کی روشنی میں بنیادی طور پر قربانی کے جانور میں دو امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) جانور دانتا ہو یعنی اس کے نیچے کے دودھ والے کم از کم دو دانت خود سے گر چکے ہوں۔

(۲) ظاہری عیوب سے پاک،خوبصورت،تندرست اور صحت مند ہو۔

قربانی کے جانور کا دانتا ہونا:

اس سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان کافی ہے جس میں آپ ﷺ نے قربانی کے جانور کے سلسلہ میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ:" **لا تذبحوا إلا مُسِنَّة إلا أن یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن** "(مسلم) یعنی (قربانی میں) صرف دانتا ہی ذبح کرو،الا یہ کہ دانتا ملنا تمھارے لئے مشکل ہو تو بھیڑ کا "جذعہ" (ایک سال کی عمر والا) ذبح کرو۔(مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے لئے اصلاً ہر جانور کا دانتا ہونا ضروری ہے اور دانتا جانور نہ ملنے کی صورت میں ایک سال والے بھیڑ کی قربانی درست ہے خواہ وہ دانتا نہ بھی ہو۔

حدیث میں لفظ" مُسِنّہ " کا صحیح مفہوم از روئے لغت وشرح حدیث یہی ہے کہ وہ دانت جائے یعنی اس کے دودھ کے نیچے والے دو دانت از خود گر جائیں اور" جَذَعَہ " کا صحیح معنی یہ ہے کہ بھیڑ یا بکری کم از کم ایک سال کی ہوکر دوسرے سال میں قدم رکھ دے۔(مسنّہ اور جذعہ کی تحقیق کے لئے خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کے مختصر تحقیقی رسالہ "تحقیق مسنہ" کی جانب رجوع کیا جائے)

بغیر دانتے جانور کی قربانی درست نہ ہونے کی ایک بہت واضح دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میرے ماموں ابو بُردہ رضی اللہ عنہ نے نماز

عید سے قبل ہی قربانی کر لی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا ”تمھاری بکری تو محض گوشت کی بکری ہوئی“ (یعنی اس کی قربانی نہیں ہوئی، البتہ وہ تمھارے کھانے ہی کے کام آئے گی) انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس تقریباً ایک سال عمر کا ایک بکری کا بچہ ہے (کیا میں اس کی قربانی دے دوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اسی کو ذبح کر ڈالو، لیکن تمھارے بعد (اس عمر کے جانور کی قربانی) کسی اور کے لئے درست نہ ہوگی“ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **فقال له رسول الله ﷺ شأتک شأة لحم، فقال یا رسول الله! إن عندی داجنا جذعة من المعز، قال إذبحها و لن تصلح لغیرک**“۔(بخاری ،مسلم)

قربانی کے جانور کا تبادلہ:

اگر کسی نے قربانی کے لئے جانور پالا مگر وہ قربانی کے وقت تک دانت نہ سکے تو جائز ہے کہ وہ اسے فروخت کر کے اس سے بہتر جانور خرید کر قربانی کر لے (بشرطیکہ اس سے بہتر جانور خریدنے کی استطاعت ہو)، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔(المدوَّنة: ۳/۲)۔

نیز شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے ”الشرح الممتع: ۵۰۹/۷“ میں بھی اس شرط کے ساتھ جانور کے تبادلہ کی اجازت دی ہے کہ اس سے بہتر خریدا جائے، انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اس صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک شخص نے (فتح مکہ کے موقعہ پر) اللہ کے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ آپ کو مکہ کی فتح نصیب فرمائے گا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا ”صلّ ھاھنا“ تم یہیں مکہ میں نماز پڑھ لو، اس لئے کہ یہ جگہ بیت المقدس سے افضل ہے، اس شخص نے پھر اپنی بات دہرائی آپ ﷺ نے پھر یہی جواب دیا اور فرمایا ”فشأنک إذن“، تب جیسی تمھاری مرضی!۔(صحیح/ سنن أبی داؤد، الإرواء:۹۷۲)

اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے لکھا کہ امام احمد، امام عطاء، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام محمد بن حسن رحمھم اللہ وغیرہم بھی جواز کے قائل ہیں، ابن قدامہ نے مزید لکھا کہ قربانی کے جانور کا تبادلہ وقف کے احکام سے ملتا جلتا ہے، جیسے موقوف شئ کا تبادلہ اس کے جنس سے جائز ہے قربانی کا تبادلہ بھی اس جیسے جانور یا اس سے بہتر جانور سے درست ہے۔

(المغنی:۳۸۳/۱۳، ۳۸٤)

ان علماء کے اقوال کی روشنی میں شیخ مصطفی بن اسماعیل السلیمانی نے صراحت کی ہے کہ میرے نزدیک جمہور کا مسلک زیادہ راجح ہے، یعنی جانور کا تبادلہ اس سے بہتر جانور سے کیا جا سکتا ہے، لیکن کم قیمت والے سے تبادلہ درست نہیں ہے۔(تنویر العینین بأحکام الأضاحی و العیدین: ۳۸۰)

صحت مند اور اچھا ہونا:

اس سلسلہ میں ایک دلیل تو عام ہے جس میں ہر قسم کی مالی عبادات اور صدقہ وخیرات کے سلسلہ میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے یہاں اجر وثواب صرف اس چیز کے خرچ پر ملے گا جو خرچ کرنے والے کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہو، یہ بات قرآن کریم کی متعدد آیات میں کہی گئی ہے اور بعض احادیث میں بھی غلام وغیرہ آزاد کرنے کے حوالہ سے اسی کی جانب اشارہ ہوا ہے، یہاں قرآن کریم کی صرف ایک آیت کریمہ نقل کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، وَ مَا تُنفِقُوا مِن شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِه عَلِیم﴾ (آل عمران: ۹۲) ترجمہ:”

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی (ثواب) نہ پاؤ گے، اورتم جوخرچ کرواللہ تعالی اسے بخوبی جانتا ہے''۔

اس کے علاوہ قربانی کے جانور کے تعلق سے متعدد احادیث میں خصوصی ہدایات بھی وارد ہیں، اس سلسلہ کی بعض روایات آگے ذکر کی جاتی ہیں:

تندرست اور موٹا تگڑا جانور:

☆ حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ''**كنا نسمّن الأضحية بالمدينة وكان المسلمون يسمّنون** ''یعنی ہم لوگ مدینہ میں قربانی کے جانوروں کوموٹا کرتے تھےاور سارے مسلمان بھی انھیں موٹا کرتے تھے۔(بخاری)

☆ حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "**أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحّي، اشترى كبشين عظيمين سمينين،أقرنين،أملحين، موجوئين.....** ''یعنی اللہ کے رسول ﷺ جب قربانی کاارادہ فرماتے تو دوتگڑے،موٹے،سینگ والے، چتکبرے اور خصی شدہ دُنبے(مینڈھے)خریدتے۔(صحیح/ابن ماجہ:۳۱۲۲، مسندأحمد:۲۲۵)

ان احادیث سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کے جانور کا موٹا تگڑا ہونا افضل ہے، آدمی اپنے گھر پالے تو اسے کھلا پلا کر موٹا کرے اور اگر خریدے تو حسب حیثیت موٹا اور تگڑا خریدے۔لیکن اگر پال رہا ہے تو دوسروں کا کھلا کر نہیں جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ گاؤں میں قربانی کے جانور آزاد چھٹے رہتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔

خوبصورت جانور:

صحت منداور موٹا تگڑا ہونے کے ساتھ اگر قربانی کا جانور خوبصورت بھی ہوتو افضل ہے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ''**أن رسول الله ﷺ أمر بكبش أقرن، يطأ في سوادٍ، و يبرك في سوادٍ، وينظر في سوادٍ.....**''رسول اللہ ﷺ نے (قربانی کے لئے) سینگ والا مینڈھا لانے کو کہا جس کے ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں....۔(مسلم)

ان صفات کا حامل دنبہ یا بکرا ظاہر ہے دیکھنے میں خوبصورت لگتا ہے، اسی طرح اوپر ذکر کی گئی حضرت عائشہ و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے اندر سینگ دار اور چتکبرے مینڈھوں کا ذکر بھی آیا ہے،اس سے بھی پتہ چلتا ہے قربانی کے لئے جہاں تک ممکن ہوخوبصورت جانور ہی کا انتخاب کرنا افضل ہے۔

مندرجہ ذیل عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''**أربع لا تجوز في الأضاحي، العوراء البيّن عورها، و المريضة بيّن مرضها، و العرجاء بيّن ظلعها، و الكسير التي لا تنقي** ''(صحیح/ أبوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ) یعنی قربانی میں چارقسم کے عیوب والے جانور درست نہیں(۱)ایسا کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو(۲) ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو(۳) ایسا واضح لنگڑا جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو (۴) ایسا کمزور جس میں چربی نہ ہو۔ایک روایت میں ''**الكسير**'' کے بجائے'' **العجفاء** '' کاذکر ہے جس کے معنی بھی نہایت لاغر اور کمزور ہی کے ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان خوب اچھی طرح

دیکھ لیں اور کان کٹے، پھٹے یا چیرے اور دُم کٹے جانور کی قربانی نہ کریں'' أمرنا رسول الله ﷺ أن نستشرف العين و الأذن و أن لا نضحى بمقابلة و لا بمدابرة ولا بتراء''(صحیح/ أبو داؤد،ترمذی)

دوسری حدیثوں میں ان جانوروں کی قربانی سے بھی ممانعت آئی ہے:

المصفرة: جس جانور کے سرے سے کان ہی نہ ہو یا وہ بہت کمزور ہو۔

المستأصلة : جس جانور کی سینگ جڑ سے ٹوٹی ہوئی ہو۔

أعزب القرن و الآذان: جس جانور کا کان یا سینگ نصف یا ایک چوتھائی سے زائد کٹا ہو۔

المقابلة: ایسا جانور جس کا کان آگے سے کٹا ہو اور آگے سے لٹک رہا ہو۔

المدابرة: ایسا جانور جس کا کان پیچھے سے کٹا ہو اور پیچھے سے لٹک رہا ہو۔

شرقاء: ایسا جانور جس کا کان لمبائی میں کٹا ہو۔

خرقاء: ایسا جانور جس کے کان میں گول سوراخ ہو یا اس کا کان چوڑائی میں کٹا ہو۔

بتراء: دُم کٹا جانور۔

خصی ہونا عیب نہیں:

یہ بات معروف ہے جانور کا خصی کرنا اسے اچھا بنانے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اسے عیب دار کرنے کے لئے، اس لئے کسی جانور کا خصی ہونا عیب نہیں شمار ہوگا، لہذا اس کی قربانی میں کوئی حرج نہیں، دوسری بات یہ کہ خصی مینڈھے کی قربانی خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اس لئے اس کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ مسنون اور مستحب ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''أن النبی ﷺ إذا أراد أن يضحى اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوئين ''یعنی رسول اللہ ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو تگڑے، موٹے، سینگ والے، چتکبرے اور خصی مینڈھے (دُنبے) خریدتے۔(صحیح /سنن ابن ماجه: ۲۵۳۱)

شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھا کہ ''قال الخطابی: فی هذا دليل على أن الخصی فی الضحايا غير مكروه، وقد كرهه بعض أهل العلم لنقص العضو، و هذا نقص و ليس بعيب، لأن الخصاء يزيد اللحم طيبا و ينفى فيه الزهومة و سوء الرائحة'' ترجمہ: امام خطابی نے لکھا کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ خصی کی قربانی مکروہ نہیں ہے، بعض اہل علم نے اس بناء پر اس کی قربانی کو مکروہ قرار دیا ہے کہ اس کے عضو میں نقص آ گیا، (ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہئے) کہ نقص تو آیا مگر اسے عیب نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ خصی کرنے سے جانور کا گوشت لذیذ اور اچھا ہو جاتا ہے اور اس کی مخصوص بدبو بھی ختم ہو جاتی ہے۔(مرعاة المفاتیح: ۳۵۸/۲)

خریدنے کے بعد اگر جانور عیب دار ہو جائے؟

اگر جانور خریدنے کے بعد حادثاتی طور پر ایسا عیب دار ہو جائے جس کی قربانی سے احادیث میں ممانعت آئی ہے، مثلا چوٹ لگنے سے لنگڑا یا کانا ہو جائے یا اس کی سینگ ٹوٹ جائے، یا کان کٹ جائے وغیرہ تو اگر آدمی صاحب حیثیت ہے اور اس کی جگہ کوئی بے عیب جانور خرید سکتا ہے تو اسے عیب دار جانور فروخت کر کے اس کی قیمت سے یا کچھ مزید

رقم لگا کر بے عیب جانور خرید لینا چاہئے اور عیب دار جانور کی قربانی سے احتراز کرنا چاہئے، اور اگر آدمی کو دوسرا جانور خریدنے کی استطاعت نہیں تو اس سے یہ سنت موکدہ ساقط ہو جائے گی۔

تاہم بعض علماء نے بصورت مجبوری ایسے جانور کی قربانی کو درست کہا ہے جو قربانی کی نیت کے بعد عیب دار ہو جائے، انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ ''ہم نے قربانی کے لئے ایک دُنبہ خریدا، پھر اس پر بھیڑئے نے حملہ کر کے اس کی سرین یا کان کو زخمی کر دیا، ہم نے اس کی بابت نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ہمیں اسی کی قربانی کا حکم دیا'' لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے اور اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''**ضعیف الإسناد جدا**'' کہا ہے۔(سنن ابن ماجه:٣١٤٦)

قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت یوم النحر (۱۰/ذی الحجہ) کو نماز عید کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا ہے جو ایام تشریق کے آخری دن (یعنی ۱۳/ذی الحجہ) قبل مغرب تک باقی رہتا ہے۔

جس شخص نے نماز عید سے قبل قربانی کر دی اس کی قربانی درست نہ ہوگی، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''**من ذبح قبل الصلاة فإنما ذبح لنفسه و من ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه و أصاب سنة المسلمين**'' یعنی جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی اس نے اپنے (کھانے کے) لئے ذبح کیا اور جس نے نماز بعد (قربانی کا جانور) ذبح کیا تو اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت (طریقہ) کو پالیا۔

(بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''**من كان ذبح قبل أن يصلي فليذبح مكانه أخرى**'' یعنی جس نے قبل نماز قربانی کی اسے اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرنا چاہئے۔ (بخاری و مسلم)

صحیح مرفوع احادیث کی روشنی میں عید الاضحیٰ کا دن چھوڑ کر قربانی کے تین ایام مزید ہیں، احادیث کی روشنی میں یہی بات راجح اور قوی ہے، چنانچہ اس تعلق سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بہت واضح ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''**كل أيام التشريق ذبح**'' یعنی ایام تشریق کے تمام دن قربانی کے ہیں۔ (صحيح/ مسند أحمد:٤/٨٢،صحيح ابن حبان:٣٨٥٤، السنن الكبرى:٩/٢٣٩، صحيح الجامع الصغير :٤٥٣٧)

اور ایام تشریق بالاتفاق ۱۱، ۱۲/اور ۱۳/ذی الحجہ کو کہا جاتا ہے۔

نیز سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے حج اور اس کے فوائد ذکر کرنے کے بعد ''**ایام معلومات**'' میں چوپایہ پالتو جانوروں پر اللہ کا نام لینے یعنی قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿... وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ...﴾ (الحج: ۲۸) اس آیت کریمہ کی تفسیر فرماتے ہوئے مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رقم طراز ہیں: ''ایام معلومات'' سے ذبح کے ایام'' ایام تشریق'' ہیں، جو یوم النحر (۱۰/ذی الحجہ) اور تین دن اس کے بعد، یعنی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳/ذی الحجہ تک قربانی کی جاسکتی ہے''۔

جن علماء وائمہ نے یوم النحر کے بعد صرف دو دن تک ہی قربانی کی اجازت دی ہے انھوں نے بعض صحابہ کے آثار سے

استدلال کیا ہے، مگر ظاہر ہے صحیح مرفوع حدیث کے مقابلہ میں وہ آثار قابل عمل نہیں، ممکن ہے ان صحابہ تک یہ حدیث نہ پہونچی ہو اس لئے وہ تو معذور ہیں، تاہم جن لوگوں کے سامنے یہ حدیثیں ہیں کم ازکم انھیں تو سنت پر عمل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہونی چاہئے۔ اس لئے بلا قیل وقال اس حدیث پر عمل ہونا چاہئے اور جو آدمی ١٣/ ذی الحجہ کو قربانی کرے اسے مطعون نہ کرنا چاہئے، بلکہ مناسب ہے کہ جو حضرات ایک سے زائد قربانی کرنا چاہیں وہ اس سنت مہجورہ کو زندہ کرنے کے لئے ایام تشریق کے آخری دن یعنی ١٣/ ذی الحجہ کو قربانی کا اہتمام کریں۔

قربانی کیلئے افضل دن:

صحیح احادیث کی روشنی میں اور سنت نبوی کے مطابق ''یوم النحر''، یعنی ١٠/ ذی الحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر ثم يوم القرّ ''یعنی بیشک دنوں میں سب سے عظیم دن اللہ کے نزدیک یوم النحر (١٠/ ذی الحجہ) ہے پھر یوم القر یعنی دوسرا دن۔ (صحیح/ سنن أبی داؤد)

نبی کریم ﷺ کی سنت متواترہ قربانی کے سلسلہ میں یہی منقول ہے کہ آپ ﷺ مدینہ میں ہمیشہ پہلے دن ہی قربانی کرتے رہے اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں بھی آپ ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی پہلے ہی روز فرمائی، چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنا اور مسلمانوں کا طریقہ قربانی کے تعلق سے ان الفاظ میں بیان فرمایا: ''إن أول ما نبدأ به في يومنا هذا نصلي ثم نرجع فننحر، من فعله فقد أصاب سنتنا ''یعنی آج (عید الأضحیٰ) کے دن ہم سب سے پہلے نماز ادا کرتے ہیں پھر واپس آکر قربانی کرتے ہیں، جس نے ایسا کیا وہ ہمارے طریقہ کو پا گیا۔ (صحیح بخاری)

اس لئے جس کے پاس ایک یا ایک سے زائد قربانی ہو وہ پہلے ہی دن قربانی کرے، بالخصوص اگر ایک ہی جانور ہو تو افضل دن کو گنوانا مناسب نہیں، بہت سارے لوگ کسی عزیز یا رشتہ دار کی آمد کو بنیاد بنا کر خود کو افضل دن کی قربانی سے محروم کر لیتے ہیں جو کسی طرح بہتر نہیں، قربانی کا اصل مقصد حصول اجر وثواب ہے نہ کہ گوشت خوری اور ضیافت۔

قربانی کا طریقہ اور اس کی دعائیں:

قربانی کے جانور کو ذبح کرتے ہوئے قبلہ رخ لٹانا مسنون ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے، ذبح کرتے وقت کئی دعائیں احادیث میں ذکر ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے:

☆ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَ الْأَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْن، اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْن، اَللّٰهُمَّ! مِنْکَ وَلَکَ عَنْ ..... (نام لے) بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَر ۔ پھر ذبح کرے۔ (سنن ابی داؤد، علامہ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے تاہم بعض دوسرے محدثین نے اس کا حسن ہونا ثابت کیا ہے)۔

☆ ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَر'' یہ دعا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے دو چتکبرے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی فرمائی، انھیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَر'' پڑھا۔

☆ ''بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَر، هٰذا عَنِّی'' یا ''عن... (نام لیا جائے)۔ (صحیح / سنن ابی داؤد:

۲٤۳٦)

☆ ”بِسۡمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلۡ مِنۡ ... (نام لیا جائے)(صحیح مسلم)

افضل ہے کہ اپنی قربانی آدمی خود ذبح کرے، متعدد حدیثوں میں نبی کریم ﷺ کا اپنی قربانی ذبح کرنے کا ذکر وارد ہے، چنانچہ صحیحین کی وہ روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دو سینگ والے چتکبرے مینڈھوں کی قربانی فرمائی، اور ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا“... **ذبحهما بيده**“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) ،اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح مسلم کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھری منگائی اور اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا، حجۃ الوداع میں تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ترسٹھ اونٹ ذبح کئے تھے، باقی ۳۷/ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمائے۔(صحیح مسلم)

قربانی کے لئے چھری تیز ہو:

چاہے قربانی کا جانور ہو یا عام ذبیحہ مسنون یہ ہے کہ چھری خوب تیز کرلی جائے تاکہ جانور آسانی سے ذبح ہوجائے، حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا”**إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح و ليحدّ أحدكم شفرته و ليرح ذبيحته**“ (صحیح/ سنن أبی داؤد) یعنی جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور چاہئے کہ تم میں سے ہر شخص اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہونچائے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قدرے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قربانی کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھری مانگی، اور فرمایا ”**اشحذيها بحجر**“، یعنی اسے پتھر پر تیز کردو، چنانچہ انھوں نے اسے تیز کیا، پھر آپ ﷺ نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا اور اسے ذبح کیا۔(صحیح مسلم)

قربانی عیدگاہ کے پاس مسنون ہے:

اگر کوئی قانونی اور سماجی رکاوٹ نہ ہو تو قربانی عیدگاہ سے قریب کرنی مسنون ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ”**كان رسول الله ﷺ يذبح و ينحر بالمصلى**“ یعنی اللہ کے رسول ﷺ (قربانی کا جانور) عیدگاہ میں ذبح یا نحر فرماتے تھے۔(صحیح بخاری)

قربانی کا گوشت:

قربانی کے گوشت کے سلسلہ میں حدیث کے اندر یہ ہدایت ہے کہ آدمی خود کھائے، بچا کر رکھ لے اور صدقہ کرے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا”**كلوا و ادَّخروا و تصدَّقوا**“(صحیح مسلم) یعنی (قربانی کا گوشت) خود کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔

سورۃ الحج کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے قربانی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَ اَطۡعِمُوۡا الۡبَآئِسَ الۡفَقِيۡرَ﴾ (الحج:۲۸) ترجمہ: پھر تم خود بھی اس کا گوشت کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔

پھر سورۃ الحج میں آگے ارشاد ہوا ﴿...فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَ اَطۡعِمُوۡا الۡقَانِعَ وَ الۡمُعۡتَرَّ...﴾ (الحج:۳٦) ترجمہ: اسے (خود بھی) کھاؤ، اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔

مفسر قرآن مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”بعض نے ”قانع“ کے معنی سائل اور ”معتر“

کے معنی زائر یعنی ملاقاتی کے کئے ہیں، بہر حال اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں، ایک اپنے لئے، دوسرا ملاقاتیوں اور رشتہ داروں کے لئے اور تیسرا سائلین اور معاشرہ کے ضرورت مند افراد کے لئے، جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے' جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں نے تمھیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرکے رکھنے سے منع کیا تھا، لیکن اب تمھیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو ذخیرہ کرو' دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ''پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو' ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں ''پس کھاؤ، کھلاؤ اور صدقہ کرو''۔(صحيح بخاری و صحيح مسلم و سنن)

پھر اس سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے موصوف نے آگے تحریر فرمایا کہ: ''درحقیقت کسی بھی آیت یا حدیث سے اس طرح کے دو یا تین حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں نکلتا، بلکہ ان میں کھانے کھلانے کا حکم ہے، اس لئے اس اطلاق کو اپنی جگہ برقرار رہنا چاہئے اور کسی تقسیم کا پابند نہیں بنانا چاہئے''۔

قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا:

حدیث میں وارد لفظ ''تصدّقوا'' کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے اور قربانی کو صدقہ پر قیاس کرتے ہوئے امام احمد بن حنبل، امام ثور، امام حسن اور اصحاب الرأی کا خیال ہے کہ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو بھی دیا جاسکتا ہے،(المغنی ۶۳۳/۸)

اس رخصت کا فائدہ اٹھا کر بعض لوگ قربانی کے گوشت کا زیادہ تر حصہ غیر مسلم سیاسی قائدین، حکام اور افسران کو ہدیہ کر دیتے ہیں یا پر تکلف دعوت کا اہتمام کرکے انھیں کھلا دیتے ہیں، تاکہ ان کے اثر ورسوخ سے وہ فائدہ اٹھا سکیں، یعنی یہ چیز بیع کے مشابہ ہوگئی اور قربانی کے گوشت کا بیچنا درست نہیں ہے، اسی طرح بعض غیر مسلموں کے بارے میں شبہ بلکہ یقین ہوتا ہے کہ قربانی کا گوشت وہ شراب جیسی گندی چیز کے ساتھ استعمال کریں گے، جہاں ایسا اندیشہ ہو ان کو دینے سے احتراز ہی اولیٰ ہے، البتہ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں اور دوسرے برادران وطن متعلقین کو جن کے بارے میں اس قسم کا شبہ اور اندیشہ نہیں انھیں قربانی کا گوشت دینے میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں۔

قربانی کا گوشت و پوست قصاب کو دینا:

قربانی کا گوشت یا اس کی کھال قصاب کو بہ طور اجرت دینی درست نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے قربانی کی نگرانی پر مامور کرتے ہوئے حکم دیا کہ ''اس کے گوشت و پوست کو تقسیم کردوں اور ان میں سے قصاب کو کچھ نہ دوں''۔(بخاری و مسلم) لیکن اگر قصاب محتاج ہو تو بہ طور اجرت نہیں بلکہ بہ طور استحقاق اس کو بھی دیا جاسکتا ہے۔(المغنی: ۶۳۳/۸)

قربانی کے جانور کی کھال آدمی خود اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، یعنی اس کا جوتا، مشکیزہ، جیکٹ وغیرہ بنا کر اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور اگر خود فائدہ نہ اٹھانا چاہے تو اسے صدقہ کردے(مسند أحمد) البتہ کھال فروخت کرکے اس کی قیمت سے خود انتفاع درست نہیں ہے۔

میت کی جانب سے قربانی:

میت کی جانب سے قربانی کی مشروعیت مختلف فیہ ہے، بعض علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض اسے درست نہیں کہتے، تاہم کسی بھی صحیح حدیث میں میت کی جانب

سے قربانی کا ذکر نہیں، جن علماء نے اجازت دی ہے انھوں نے اسے صدقہ پر محمول کیا ہے، اس لئے انھوں نے یہ بھی صراحت فرمادی کہ اگر صرف میت کی جانب سے کوئی قربانی کرے تو اسے پورا گوشت صدقہ کردینا چاہئے اس میں سے خود کچھ نہ کھانا چاہئے۔

میت کی جانب سے قربانی جائز قرار دینے والوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ ہے کہ ''نبی ﷺ نے انھیں وصیت فرمائی تھی کہ آپ ﷺ کی جانب سے وہ ہر سال ایک قربانی کرتے رہیں''، یہ جامع ترمذی کی روایت ہے، اولا: تو یہ حدیث ضعیف ہے، ثانیا: اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے مطلقاً میت کی جانب سے قربانی کے جواز کا ثبوت نہیں ملتا، زیادہ سے زیادہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی خیر کی وصیت کرکے فوت ہو تو ورثاء کو اس کی وصیت نافذ کرنا چاہئے۔

شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بحث کرنے کے بعد اپنے استاد صاحب تحفہ علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ: ''**لم أجد في التضحية عن الميت منفردا حديثاً مرفوعا صحيحا، و أما حديث عليّ هذا فضعيف ، فإذا ضحى الرجل عن الميت منفردا فالإحتياط أن يتصدق بها كلها** ''ترجمہ: تنہا میت کی جانب سے قربانی کے سلسلہ میں مجھے کوئی صحیح، مرفوع ایک حدیث بھی نہ ملی، رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو یہ ضعیف ہے، اس لئے اگر کوئی شخص تنہا صرف میت کی جانب سے قربانی کرے تو احتیاط اسی میں ہے کہ پورا گوشت صدقہ کردے۔

(مرعاة المفاتيح: ۳۵۹/۲)

میت کی جانب سے قربانی ظاہر ہے اس کو ثواب پہونچانے کے مقصد ہی سے کی جاتی ہے، اس لئے اگر یہ مقصد عام مالی صدقہ کے ذریعہ حاصل کیا جائے جس کے بارے میں علماء متفق ہیں تو زیادہ بہتر ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی قربانی میں اپنے زندہ اہل خانہ کے ساتھ اپنے مُردوں کو بھی شامل کرلے تو یہ زیادہ بہتر ہے، قربانی کے اجروثواب میں ان شاءاللہ مُردے بھی شریک رہیں گے اور ایسی قربانی کا گوشت سب کھا بھی سکتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں مرعاة المفاتيح: ۲/ ۳۵۹)

نبی کریم ﷺ کی جانب سے قربانی؟

بعض نادان مسلمان اس بنیاد پر کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کی جانب سے قربانی فرمائی تھی وہ آپ ﷺ کی جانب سے قربانی کرکے وہ قرض اتارنا چاہتے ہیں، یہ بہت بڑی نادانی ہے، بھلا ہم نبی کریم ﷺ کے احسانات کا کون کون سا قرض اتاریں گے؟ نبی ﷺ کے حق میں مسلمانوں کے لئے سب سے بہتر عمل درود بھیجنا ہے، وہ اس عمل کے ذریعہ سے اللہ کی رحمت کے مستحق بھی بنیں گے اور کسی طور آپ ﷺ کا حق بھی ادا ہوگا، اس لئے ہمیں اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے۔

دوسری بات نبی ﷺ کے مقابلہ میں اجر وثواب کے ہم زیادہ محتاج ہیں، آپ ﷺ تو معصوم عن الخطأ ہیں نیز آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہیں، آپ کے لئے ایصال ثواب کرنے سے بہتر یہ ہے کہ بندہ اپنی مغفرت کی فکر کرے۔

❀❀❀

شمیم احمد ندوی

گناہوں کا عبرتناک انجام اور زندگی پر اس کے اثرات (28)

جب انسان گناہ ومعصیت کی دلدل میں غرق ہوجاتا ہے اور عیش وطرب، لہو ولعب اور خرمستی وبے فکری کی زندگی کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خالق کائنات اور مالک حقیقی کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے اور ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ کا عملی نمونہ بن جاتا ہے، اللہ کے نافرمانوں نے انسانی تاریخ کے ہر دور میں یہی رویہ اپنایا اور ان کو ہر دور میں قرار واقعی سزا دی گئی، ساتھ ہی اس سزا کو آنے والے لوگوں کے لیے باعث عبرت بنایا گیا، اللہ احکم الحاکمین نے ان سزاؤں کو ان پر اس طرح معجزاتی طور پر نافذ کیا کہ ان میں عبرت وموعظت کا پہلو نمایاں رہا، چنانچہ فرعون کا اپنے ایک لاکھ کے لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کیا جانا، نمرود کو ایک حقیر مچھر کے ذریعہ ہلاک کیا جانا، قوم نوح پر عظیم سیلاب اور بارش کا عذاب بھیجا جانا، قارون کا اپنے تمام خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا جانا، قوم عاد کو سخت ہولناک ہوا کے ذریعہ ہلاک کیا جانا، قوم ثمود کو کانوں کے پردے پھاڑنے والی بھیانک چیخ کے ذریعہ ہلاک کیا جانا، قوم لوط کی پوری بستی کو الٹ پلٹ کر تہ تیغ کرنا اور ان پر آسمان سے پتھروں وسنگ ریزوں کی بارش برسایا جانا، یہ عذاب الٰہی کی مختلف شکلیں ہیں جن میں سے ہر ایک میں عبرت کا پہلو نمایاں ہے۔

قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے بعض آیتوں میں عذاب کی ان مختلف شکلوں کو یکجا بیان کیا ہے تاکہ وہ لوگ جن کو ڈرانا مقصود ہے وہ نافرمانی کے اپنے دنیوی انجام سے لرزہ بر اندام رہیں اور سرکشی وبغاوت کا رویہ ترک کردیں، چنانچہ سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر (۴۰) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِباً وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُون﴾ ”پس ان میں سے ہر ایک کو ہم نے ان کے گناہوں کے پاداش میں جکڑ لیا، ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا، ان میں سے بعض کو زوردار سخت چیخ نے آدبوچا، ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کردیا، بے شک اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے“۔

ان نافرمان قوموں پر آئے ہوئے عذاب کی شدت اور ہولناکی میں عبرت وموعظت کا وافر سامان تھا، چنانچہ فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت اس سمندر میں غرق ہوکر حسرت ویاس کی تصویر بن گیا، جس میں کچھ ہی دیر قبل بنی اسرائیل کے ۱۲ گروہ اپنے مقررہ راستوں پر چلتے ہوئے ہنستے کھیلتے اور اٹھکیلیاں کرتے اس طرح پار اتر گئے کہ ان کے پیروں میں کیچڑ بھی نہیں لگی، نوح علیہ السلام کی قوم پر آیا ہوا طوفان نوح اپنی ہولناکی اور عبرت پذیری میں آج تک ضرب المثل ہے کہ ان کی کشتی میں سوار ہونے والے انسانوں اور دیگر جانداروں

کے علاوہ پوری دنیا کی انسانی آبادی اور ہر جاندار اور ذی روح کا نام ونشان مٹ گیا، قارون اپنے خزانوں سمیت اس طرح زمین دوز ہوا کہ آج تک اس کا وہ خزانہ زمین میں دھنستا ہی چلا جارہا ہے جس کی صرف چابیاں اٹھانے کے لیے طاقتور نوجوانوں کی ایک جماعت ناکافی تھی ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ﴾۔(القصص:۷۶)

قوم عاد جسے اپنی قوت وطاقت اور تعمیر میں مہارت پر ناز تھا اور جو پہاڑوں کو تراش کر اپنے لیے مضبوط وعالی شان مکانات اور محلات تعمیر کرتے تھے اور جو اپنے اس فن میں یکتائے روزگار تھے، انھوں نے جب اللہ کی نافرمانی کی اور گھمنڈ واستکبار کا مظاہرہ کیا تو اللہ نے ان کو اس طرح عبرت ناک سزا سے دوچار کیا کہ ان پر خوفناک آندھی وطوفان مسلط کردیا، ان ہواؤں نے تو پہلے سنگ ریزوں کو زمین سے اٹھا کر ان کے چہروں اور جسموں پر برسائے جس سے ان کو ناقابل برداشت اذیت ہوئی پھر مسلسل ہواؤں کی تیزی وتندی میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ان کے جسموں کو حد نگاہ تک کی بلندیوں پر اٹھا کر ان کو اس بلندی سے زمین پر اس طرح پٹخا گیا کہ ان کے سر پاش پاش ہوگئے اور ان کے بغیر سر کے بے گور وکفن لاشے اس طرح زمین پر پڑے رہے کہ جیسے وہ کٹے ہوئے کھجور کے درخت ہوں، ان کو اپنی جسامت اور قوی ہیکل قد وقامت پر بھی بڑا ناز تھا اور انتہائی کاریگری اور فن کاری سے بنائے ہوئے مضبوط وبلند بالا مکانات پر بھی بڑا گھمنڈ تھا لیکن اللہ نے ان کا گھمنڈ چور چور کردیا اور ان کو حسرت ویاس کی تصویر بنادیا، اسی کی منظر کشی قرآن پاک نے اپنے دلکش وبلیغ اسلوب کے ساتھ ان الفاظ میں کی ہے: ﴿وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ☆ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُوماً فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾(الحاقۃ:۶۔۷)''پس (جہاں تک قوم عاد کا سوال ہے) تو انھیں سخت تیز وتند اور سرد وخ بستہ ہواؤں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، جنھیں ان کے اوپر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک کے لیے مسلط کردیا گیا تو تم دیکھو گے کہ پوری قوم لاشوں کی شکل میں پڑی ہوئی ہے گویا کہ وہ کھجور کے درخت کے کھوکھلے تنے ہوں۔''

قوم ثمود کو کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی چیخ اور بھیانک سماعت شکن آواز کے ذریعہ ہلاک کیا گیا ساتھ ہی زمین میں لرزہ طاری کردینے والے زلزلہ نے ان کو ذلت ورسوائی سے دوچار کرکے ہلاک کیا، قرآن پاک میں ایک جگہ ہے: ﴿فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ﴾''رہی قوم ثمود تو ان لوگوں کو طاغیہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا'' اکثر مفسرین نے ''طاغیۃ'' سے سخت ہولناک چیخ مراد لیا ہے جب کہ بعض مفسرین نے اس سے گناہ مراد لیا ہے، یعنی ثمود کو ان کے گناہ کی پاداش میں ہلاک کیا گیا، ان کا پہلا گناہ تو حق سے اعراض، توحید باری تعالیٰ کا انکار اور اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کی تکذیب تھی لیکن آخری جرم اس اونٹنی کا قتل تھا جو پہاڑ سے نبوت کی نشانی کے طور پر نکالی گئی تھی، ان کا یہ گناہ سب پر بھاری تھا، کیوں کہ اونٹنی کا قتل کرنا براہ راست اللہ کو چیلنج کرنا، اس کی قوت وطاقت کا مذاق اڑانا اور عذاب الٰہی کے لیے کھلی ہوئی دعوت دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کو سخت اذیت کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔

قوم لوط کی بدکاریوں، ان کی معصیت کی تباہ کاریوں اور ان پر مسلط کیے ہوئے عذابوں کا تذکرہ پہلے قدرے

تفصیل سے آچکا ہے، ان پر بیک وقت کئی طرح کے عذاب نازل کیے گئے جن میں آسمان سے پتھروں کی بارش، سخت زلزلہ اور زمین کا الٹ دیا جانا شامل تھا، اس عذاب میں ان کے لیے ذلت ورسوائی کا مکمل سامان تھا اور آج تک قوم لوط کی تباہ کاریوں کے آثار ونشانات بحر مردار کی شکل میں موجود ہیں۔

غرض کہ گذشتہ قوموں پر جو بھی عذاب آئے ان سب میں ذلت ورسوائی کا سامان اور آنے والی قوموں کے لیے عبرت ونصیحت کا بہت کچھ نشان موجود ہے، قرآن کریم اللہ خبیر وحکیم اور احکم الحاکمین کی جانب سے اس روئے زمین پر بسنے والے مکینوں کی ہدایت کے لیے نازل کردہ اس کا آخری کلام مبین ہے، اس قرآن کو اس اللہ بزرگ وبرتر نے ''هُــــدىً لــلـمُتـقَّيـن'' قرار دیا ہے، چنانچہ انسانوں کو ان کے گناہوں کے انجام سے ڈرانے کے لیے ان کو گذشتہ قوموں کے انجام اور نتائج بد اور ان کے رونگٹے کھڑے کرنے والی سزاؤں کا بار بار ذکر کیا ہے اور نافرمانوں کو گناہوں اور نافرمانیوں کے انجام بد سے ڈرایا ہے، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ قوموں کے گناہوں اور ان کی سزاؤں کا ذکر تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے اور آنے والی امتوں کو خبردار کیا ہے۔

چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر:(۱۰۰) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿أَوَلَـمْ يَهْـدِ لِـلَّذِيْنَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَـعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاء أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَى قُـلُـوبِهِـمْ فَهُمْ لاَ يَسْمَعُونَ﴾ ''کیا ان لوگوں کو جو (گذشتہ قوموں کی ہلاکت کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے) (ان عبرتناک واقعات نے) یہ نہیں بتایا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کے سبب ان کو نیست ونابود کردیں اور ان کے دلوں پر مہر لگادیں تو وہ سننے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجائیں۔''

یہ آیت ہلاک شدہ قوموں کے بعد دنیا میں ان کے وارثین وجانشین کے طور پر آنے والے لوگوں کے لیے ایک سرزنش اور وارننگ کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کو غلط کاریوں کے انجام سے خبردار کرنے کے لیے بہت واضح ہے، بعد میں آنے والے لوگوں اور نبی کریم ﷺ کی امت کو اس سے خبردار رہنا چاہیے کہ جب بداعمالیوں اور غلط کاریوں کے سبب اللہ نے گذشتہ قوموں کو تباہ وبرباد کردیا اور دنیا سے ان کا نام ونشان مٹادیا تو وہی گناہ کرکے ہم کیوں کر اپنے آپ کو محفوظ تصور کرسکتے ہیں۔

چنانچہ سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیت سے تین آیتیں قبل آیت نمبر (۹۷ تا ۹۹) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:﴿أَفَـأَمِـنَ أَهْـلُ الْقُرَى أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتاً وَهُمْ نَـآئِمُون ☆أَوَ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرَى أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُون ☆أَفَأَمِنُواْ مَكْرَ اللّهِ فَلاَ يَأْمَنُ مَكْرَ اللّهِ إِلاَّ الْـقَـوْمُ الْـخَاسِـرُونَ﴾ ''کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آپڑے جس وقت وہ بے خبر سورہے ہوں اور کیا ان بستیوں کے مکین اس بات سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھنے کے وقت آجائے جس وقت وہ کھیل کود میں مگن ہوں، کیا پس وہ اللہ کی گرفت سے محفوظ ہوگئے ہیں، سو اللہ کی پکڑ سے صرف وہی لوگ بے فکر ہوسکتے ہیں جن کی شامت ہی آگئی ہو۔''

قرآن پاک کی یہ تین آیتیں موجودہ دور کے

انسانوں کے لیے کھلی ہوئی دھمکی اوران کوان کے کرتوتوں اور نافرمانیوں سے خبردار کرنے کے لیے بطور سرزنش ہیں، اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے بعداللہ نے کسی قوم پرعذاب استیصال نہیں بھیجااور یہ اس کی حکمت بالغہ کے تحت ہی ہوا کہ اللہ کواس کی اس زمین کوانسانوں سے آبادرکھنا مقصودتھا، اس لیے بنی اسرائیل سے لے کرعیسیٰ علیہ السلام کے متبعین اور کفار ومشرکین سے لے کرامت محمدیہ کے فساق وفجاراوران کے سرکش ومتکبرین سب اپنی نافرمانیوں کے باوجود دنیامیں نہ صرف باقی ہیں بلکہ اللہ کی انواع واقسام کی نعمتوں سے فائدہ اٹھارہے ہیں اوراس دنیامیں پھل پھول رہے ہیں،لیکن اگرچہ ان کی پوری نسل نہیں ختم ہوئی اور قیامت تک باقی رہے گی یاجب تک اللہ کی مشیت ہوگی وہ ہزار بداعمالیوں کے باوجود دنیامیں پھلتے پھولتے رہیں گےلیکن انفرادی طور پربھی ایسے گناہ گاروں کووقتاً فوقتاً سزائیں ملتی رہی ہیں اورگروہوں اورمتفرق انسانی آبادیوں کی شکل میں بھی ان کوٹھوکریں لگائی جاتی رہی ہیں تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور اپنے گناہوں سے تائب ہوکر اللہ کی طرف رجوع کریں،جس کی کچھ مثالیں اپنے وقت میں ذکرکی جائیں گی،ان عذابوں میں جن میں نافرمانوں وسیاہ کاروں کوگرفتارکیا جاتاہے، زلزلے، سیلاب، قحط سالی، آتش فشاں، سونامی اور وبائی بیماریاں خاص ہیں جن میں آبادیوں کی آبادیوں کا نام ونشان مٹ جاتاہےاور بھرے پرے شہر کھنڈرات میں تبدیل ہوجاتے ہیں، ان لرزہ خیز واقعات کے ذریعہ اللہ نافرمان انسانوں کوٹھوکرلگاتاہےاوران کوگناہوں سے تائب ہونے کا موقع دیتاہےاورظالموں کی رسی دراز کردیتاہے۔

سورۂ ملک میں ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ☆أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِباً فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ﴾(الملک:۱۶،۱۷)''کیا تم اس بات سے بےخوف ہوگئے ہوکہ آسمانوں والاتمھیں زمین میں دھنسادےاوراچانک زمین لرزنے لگے، یاکہ تم اس بات سے نڈرہوگئے ہوکہ آسمانوں والاتم پرپتھروں کی بارش برسادے، پھرتم جان جاؤگے کہ میراڈرانا کیساتھا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کالطف وکرم اوراس کاعظیم احسان ہے کہ وہ انسانوں کی بداعمالیوں کی سزافوراًنہیں دیتاہےاورنہ ہی دنیامیں ان کواپنے انتقام کانشانہ بناتاہےاوراگرایساہوتاتودنیا کااب تک نام ونشان مٹ گیاہوتالیکن اللہ اپنے حلم وکرم کی وجہ سے دنیامیں انسانوں کے گناہوں کواس وقت تک نظرانداز کرتارہتاہے جب تک ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کاگھڑا بھرنہیں جاتا، جب کہ اللہ اس پرقادرہے کہ انسانوں کودنیاہی میں سزادےدےلیکن دنیاکواس نے دارالعمل اور دارالمحن بنایاہے، دارالجزاءتو آخرت ہے ورنہ اگراللہ دنیامیں انسانوں کوسزادینے پرآجاتاتوروئے زمین پرایک جاندار بھی زندہ باقی نہ رہتاجیساکہ اس کاارشادہے:﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاء أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيراً﴾(الفاطر:۴۵)''اوراگراللہ انسانوں کی بداعمالیوں پرگرفت کرنےلگتاتواس زمین کی پشت پر ایک بھی چوپایہ باقی نہ رہتا،لیکن ایک مقررہ مدت تک ان کومہلت دیتاہے، پس جب وقت مقررآجاتاہے(یہ مہلت تمام ہوجاتی ہے)تواللہ اپنے بندوں کودیکھ لیتاہے۔''

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کی بداعمالیوں اور ان کی معصیت کاریوں پر گرفت کرتے ہوئے دنیا ہی میں ان کو سزا دینے لگتا تو زمینوں وآسمانوں کی تمام مخلوق ہلاک ہوجاتی اور انسانوں کے ساتھ ان کی ملکیت میں جو حیوانات اور چوپائے ہیں سب کو ہلاک وبرباد کردیا جاتا یہاں تک کہ ایک روایت کے مطابق کیڑوں مکوڑوں اور حقیر مخلوق کو ان کے بلوں میں عذاب دیا جاتا صرف انسانوں کے گناہوں کے عوض ، یا پھر اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ ان بے قصور جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کو براہ راست عذاب نہیں دیا جاتا کہ یہ بے زبان مخلوق ہیں اور جواب دہی کے مکلّف نہیں ہیں، لیکن انسانوں کے گناہوں کے باعث عذاب کے طور پر ان سے بارش کو روک لیا جاتا پھر جب قحط اور خشک سالی سے انسان ہلاک ہونے لگتے تو ان کے ساتھ وہ تمام جانور بھی ہلاک ہوجاتے جن کی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہر زندگی کا دارومدار پانی پر ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاء كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (الأنبياء:۳۰) ''ہم نے پانی ہی پر زندگی قائم رکھی ہے''۔

اب اگر تمام انسانوں پر براہ راست اور حیوانوں پر بالواسطہ طور سے عذاب نہیں آتا تو یہ اللہ کی حکمت ومصلحت کے تحت ہورہا ہے اور انسانوں کو دی ہوئی مہلت کی وجہ سے ہورہا ہے ہے ورنہ اللہ جب چاہے ان کی پوری بساط لپیٹ دے اور وہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿أَن لَّوْ نَشَاء أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی زبردست گرفت کریں ﴿وَنَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگادیں'' اللہ تعالیٰ جب کسی پر اپنی حجت تمام کرنا چاہتا ہے اور اس کو گناہوں کے دلدل میں غرق کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل پر مہر بھی لگادیتا ہے، پھر اس پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی اور گذشتہ قوموں کے انجام کو جان کر بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور وہ خواب خرگوش میں مست ہوتا ہے اور گناہوں کی انجام دہی میں بے باک ہوجاتا ہے، ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ﴾ (السجدۃ:۲۶) ''کیا ان کو اس بات کی خبر نہیں پہونچی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کردیا جن کے مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں، اس میں تو بڑی بڑی نشانیاں ہیں، کیا پھر بھی یہ نہیں سنتے ؟''

اہل مکہ جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے اولین مخاطب تھے ان کو یہ کہہ کر ڈرایا جارہا ہے کہ اللہ کی اسی زمین میں وہ ہلاک شدہ قومیں تھیں اور اسی طرح کی بستیوں میں رہتی اور اسی طرح کے مکانات میں وہ چل پھر رہی تھیں تو تم اپنے آپ کو وہی گناہ کرکے کیوں کر محفوظ سمجھ رہے ہو۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ گذشتہ قوموں کے انجام کو دکھاتے ہوئے اور ان کے کھنڈرات کے بارے میں بتاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ نے تو ان کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا، ان کے نام ونشان کو بھی باقی نہ رکھا، لیکن ان کے شکستہ حال مکانات، ان کے کھنڈرات اور ان کی بستیوں کے نشانات یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ وہ کس بے بسی کی موت مرے اور ان کے محلات اور کاریگری سے بنائے ہوئے مکانات ان کے کسی کام نہ آئے۔

ایک دوسرے مقام پر ان کے انجام کی حسرتناکی کو اور زیادہ واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس انداز بیان میں آنے والے لوگوں کے لیے اور رسول اللہ ﷺ کے مخاطبین اولین کے لیے کچھ زیادہ ہی عبرت کا سامان ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ﴾ (الحج:۴۵) ''بہت سی ایسی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے تہ وبالا کر دیا اس لیے کہ ان بستیوں کے مکین ظالم تھے پس وہ بستیاں اپنی چھتوں کے بل اوندھی پڑی ہوئی ہیں، اور بہت سے آباد کنویں بے کار پڑے ہوئے ہیں اور بہت سے پختہ وبلند وبالا محل ویران پڑے ہیں۔''

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ کفار مکہ اگر آپ کی نبوت کو جھٹلا رہے ہیں تو اس سے آپ ﷺ کو دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی پہلی بار نہیں پیش آیا ہے، اللہ کے پیغمبروں کو اس طرح کی صورت حال کا اکثر سامنا کرنا پڑا ہے، گذشتہ قومیں بھی اپنے نبیوں کے ساتھ کچھ اسی طرح کا معاملہ کرتی رہی ہیں اور میں انھیں ایک وقت متعین تک مہلت دیتا رہا ہوں پھر جب ان کی مہلت تمام ہوئی اور ان پر حجت کا اتمام ہوا تو انھیں ان کے گناہوں کی پاداش میں تباہ وبرباد کر دیا گیا۔

اس صورت حال کے بیان کرنے میں مشرکین عرب کے لیے تعریض وکنایہ ہے یا پھر ان کے لیے اس میں ایک پوشیدہ دھمکی ہے کہ ہمارے نبی کے جھٹلانے کے باوجود اگر تم مواخذہ سے بچے ہوئے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہاری گرفت کرنے والا اور تمھیں سزا دینے والا کوئی نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے وہ مہلت ہے جو وہ ہر قوم کو دیا کرتا ہے، لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اطاعت وانقیاد کا راستہ نہیں اختیار کرتی تو پھر اسے ہلاک وبرباد کر دیا جاتا ہے یا پھر مومنوں کے ذریعہ اسے مغلوب کر کے ذلیل وخوار کیا جاتا ہے، مشرکین کو سزا دینے کے لیے یہی دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا، یعنی اگرچہ ان کو کلیتاً نیست ونابود نہیں کیا گیا لیکن مختلف محاذوں پر کافروں کو شکست فاش ہوتی گئی یہاں تک مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا اور ان کافروں کا غرور خاک میں مل گیا۔

ظالموں اور مغروروں کو سزا دینے کی اللہ کی یہ سنت آج بھی باقی ہے اور اس کے عذاب کا کوڑا آج بھی گاہے بگاہے حرکت میں آتا رہتا ہے یہ الگ بات ہے کہ انسان اس سزا کا احساس نہ کرے اور اسے ایک اتفاق سمجھ کر نظر انداز کر دے اور یہی وہ صورت حال ہے جسے دلوں پر مہر لگانے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو دانائی وبینائی سے عاری انسان عبرت پذیری سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس آیت سے آگے کی آیت میں ارشاد ہوا: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج:۴۶) ''کیا انھوں نے زمین کی سیاحت نہیں کی جو ان کے دل ان باتوں کو سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان واقعات کو سن لیتے بات دراصل یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی بینائی سے محروم نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے

ہوجاتے ہیں جوسینوں میں ہیں۔''

اسی مفہوم کو بیان کرنے کے لیے ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوا: ﴿أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ﴾ (طٰہ:۱۲۸) ''کیاان کی ہدایت کے لیے یہ بات بھی کافی نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی بستیوں کوتہ وبالا کردیا جن کے رہنےسہنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں، یقیناً اس میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

اس آیت کے بعد فوراً یہ آیت آئی جس میں مہلت دیے جانے کا ذکر ہے: ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ (طٰہ: ۱۲۹) ''اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے طے شدہ اور وقت مقرر کردہ نہ ہوتا تو اسی وقت عذاب آ چمٹتا۔''

اسی طرح اگر کفار مکہ کو یہ غلط فہمی تھی کہ ہم گذشتہ قوموں سے زیادہ طاقتور وہنر مند، ظاہری شکل وصورت اور جسمانی زیب وزینت میں ان سے فائق وبرتر اور عقل وخرد میں ان سے فزوں تر ہیں تو اللہ نے یہ کہہ کر ان کی غلط فہمی دور کردی کہ گذشتہ اقوام جن پر ہمارے عذاب کا کوڑا برساتم سے کسی چیز میں کم تر نہ تھے بلکہ مال ودولت اور ظاہری وجاہت میں تم سے برتر ہی تھے لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو ان کا جسم اور ان کی عقل کچھ بھی ان کے کام نہ آئی اور ان کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا﴾ (مریم:۷۴) ''ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو سازوسامان، مال ومنال اور ظاہری شکل وشباہت میں ان پر فوقیت رکھتی تھیں۔''

اسی طرح کی آیتیں بعد میں آنے والے لوگوں کی یہ غلط فہمی دور کرنے کے لیے کافی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ گذشتہ قومیں اپنی کمزوری وبے بسی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں یا اس وجہ سے عذاب کی شکار ہوئیں کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں بلکہ بعد میں آنے والے لوگ اس کو عذاب الٰہی اور قہر خداوندی ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے، یہ رویہ کفار مکہ کا بھی تھا اور آج کے ان دہریوں اور منکرین خدا سائنس دانوں اور کفار وفجار کا ہے جو مختلف طرح کے آنے والے عذابوں کی سائنسی توجیہ کرنے لگتے ہیں اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ آج ہم کو اس دنیا میں ایسی طاقت وقوت حاصل ہوگئی ہے کہ ہر قدرتی آفت ومصیبت کا مقابلہ اپنے انسانی وسائل اور سائنسی آلات سے بخوبی کر سکتے ہیں، لیکن اکثر ان کی غلط فہمیاں دور ہوتی رہتی ہیں اور ان کے دعووں کا بت پاش پاش ہوتا رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کے زمانوں میں بالعموم اور موجودہ دور میں بالخصوص جب کہ انسان غیر معمولی قوت کا مالک ہو چکا ہے اور یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ ہم قدرت کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اللہ نے متعدد باران کا یہ گھمنڈ واستکبار دور کیا ہے اور ان کو مختلف طرح کے عذاب کا مزہ چکھایا ہے، یہ اللہ کی سنت ثابتہ ہے جو تا قیامت جاری رہے گی۔

(باقی آئندہ)

❁❁❁

مولانا ابومحمد افضال احمد شمیم سلفی
ناظم جمعیۃ السلام للخدمات الإنسانیۃ، بھیرہوا، نیپال

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل اور ان میں کیے جانے والے اعمال

بلاشبہ اللہ تعالی ہی تمام مخلوق کا خالق ہے اور اس نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور پھر ان میں سے جسے چاہا اپنے لیے چن لیا، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿وَرَبُّکَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (القصص: 68) ''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے، ان کے لیے کبھی بھی اختیار نہیں، اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں''۔

اور ان بابرکت ایام اور نیکیوں وفضیلتوں کے اوقات اور موسموں میں جنہیں دوسرے دنوں اور مواقع ومواسم پر فضیلت وعظمت اور عزت حاصل ہے ان میں ذی الحجہ کے ابتدائی دس ایام بھی ہیں، جنہیں اللہ تعالی نے سال کے باقی سارے ایام پر فضیلت وفوقیت عطا فرمائی ہے، یہ ایام عظیم ترین فضائل وخصائص، برکات اور کثیر ترین بھلائیوں کے حامل ہیں، کیونکہ ان ایام میں بندوں پر عظیم الشان اور جلیل القدر ربانی عنایات اور الٰہی نوازشات ہوتی ہیں، اللہ تعالی نے اپنی کتاب حکیم میں ان ایام کی قسم کھائی ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالْفَجْرِ، وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ (الفجر: 1-2) ''قسم ہے فجر کی! ، اور دس راتوں کی''۔

اللہ تعالی کا عشرۂ ذی الحجہ کے ایام کی قسم کھانا اس کی عظمت واہمیت کی بین دلیل ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ سبحانہ وتعالی بہت سے امور کے لیے دوسرے امور کی قسم کھاتا ہے اور کبھی وہ اپنی ذات مبارکہ کی قسم کھاتا ہے جو اس کی صفات عالیہ سے متصف ہے اور کبھی اپنی آیات کی جو اس کی ذات وصفات سے جڑی ہوئی ہیں، اس کا اپنی بعض مخلوقات کی قسم کھانا اس بات پر دلالت کناں ہے کہ وہ مخلوق اس کی عظیم نشانیوں میں سے ہے''۔

(التبیان فی أقسام القرآن: ص1)

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (فی قوله ﴿وليال عشر﴾ والصواب من القول فی ذلک عندنا أنها الأضحى، لإجماع الحجة من أهل التأويل عليه) ''ہمارے نزدیک اس کے متعلق صحیح بات یہ ہے کہ ان (دس راتوں) سے مراد ذوالحجہ کی دس (راتیں) ہی ہیں، کیونکہ تمام مفسرین نے اجماعی طور پر اس سے یہی دلیل پکڑی ہے''۔ (تفسیر الطبری: 514/7)

حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت مجاہد اور دیگر اسلاف کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ یہ ''عشرۂ ذی الحجہ ہے''، اور ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اور یہی صحیح ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر: 413/8)

اللہ تعالی نے اسی میں دین اسلام کی تکمیل فرمائی اور اتمام نعمت کا شرف بخشا، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت

لکم الإسلام دینا﴾ (المائدۃ: 3)" آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"أفضل أیام الدنیا أیام العشر" "دنیا کے سب سے فضیلت والے دن ذی الحجہ کے (ابتدائی) دس دن ہیں" (صحیح الجامع رقم:1133)

ان ایام میں دو ایسے دن ہیں جو سال بھر کے تمام دنوں سے افضل اور عظیم ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى يَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ) "اللہ تعالی کے ہاں سب سے بڑھ کر عظمت والا دن یوم نحر ہے پھر اس کے بعد یوم قر ہے۔" (ابو داؤد: 1765، واسنادہ صحیح)

ان ایام میں فرائض ونوافل اور نیک اعمال کا اجر وثواب باقی ایام میں کی جانے والی عبادات سے افضل وبرتر ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَا مِنْ أَيَّامٍ أَفْضَلُ عِنْدَ اللهِ وَلَا الْعَمَلُ فِيهِنّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزّ وَجَلّ مِنْ هَذِهِ الْأَيّامِ الْعَشْرِ) "اللہ تعالی کے نزدیک کوئی دن اِن دس دنوں سے زیادہ افضل نہیں ہیں اور ان میں کیے جانے والے اعمال سے زیادہ کوئی عمل اللہ تعالی کو محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔" (شعب الایمان: 3481)

نیز ان دنوں میں عمل صالح کرنا اللہ کے راستے میں جہاد سے افضل ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى الله عز وجل مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ، يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ، "قالوا: یا رسولَ اللہ، ولا الجهادُ فی سبیلِ الله؟ قال: "وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ) "اللہ تعالی کو کوئی نیک عمل کسی دن میں اس قدر پیارا نہیں جتنا ان دنوں میں پیارا ہے"۔ یعنی ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: "نہیں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور پھر کچھ واپس نہ لایا ہو (شہید ہو گیا ہو) (رواہ البخاری: 969، وأبو داود، واللفظ له: 2438)

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت کا سبب:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عشرہ ذی الحجہ کی اس فضیلت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (والذی یظهر أن السبب فی امتیاز عشر ذی الحجة لمکان اجتماع أمهات العبادة فیه وهی الصلاة والصیام والصدقة والحج ولا یأتی ذلک فی غیره) "عشرہ ذی الحجہ کی اس امتیازی شان کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بنیادی عبادات مثلاً نماز، روزہ، صدقہ اور حج یہ سب اکٹھی ہو جاتی ہیں جو ان کے علاوہ کسی اور دن میں جمع نہیں ہوتیں۔" (فتح الباری: 593/2)

کیا ذوالحجہ کے اس عشرے کی فضیلت رمضان کے آخری عشرے سے بھی زیادہ ہے؟

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: (فالصواب فیه أن یقال: لیالی العشر الأخیر من رمضان أفضل من لیالی عشر ذی الحجة، وأیام عشر ذی الحجة أفضل من أیام عشر رمضان، وبهذا التفصیل یزول الاشتباه ویدل علیه أن لیالی

العشر من رمضان انما فضلت باعتبار ليلة القدر، وهي من الليالي، وعشر ذي الحجة إنما فضل باعتبار أيامه إذ فيه يوم النحر، ويوم عرفة، ويوم التروية) ''اس میں زیادہ درست رائے یہ ہے کہ رمضان کی آخری دس راتیں ذوالحجہ کی دس راتوں سے افضل ہیں اور ذوالحجہ کے دس دن رمضان کے ان دس دنوں سے افضل ہیں، لہذا اس تفصیل سے یہ تمام اشکال دور ہو جاتے ہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ رمضان کی دس راتیں اس لیے افضل ہیں کہ ان میں لیلۃ القدر ہے اور ذی الحجہ کے دس دن اس لیے افضل ہیں کہ یوم النحر، یوم عرفہ اور یوم ترویہ انہیں میں آتے ہیں۔''(زادالمعاد:1/19)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: تو آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا:(أيام عشر ذي الحجة أفضل من أيام العشر من رمضان والليالي العشر الأواخر من رمضان أفضل من ليالي عشر ذي الحجة) ''ذوالحجہ کے دس دن رمضان المبارک کے آخری دس دنوں سے افضل ہیں اور رمضان کے آخری عشرے کی راتیں عشرۂ ذی الحجہ کی راتوں سے افضل ہیں''۔(مجموع فتاوی ابن تیمیہ:287/25)

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''قول مختار یہ ہے کہ یوم عرفہ کی وجہ سے ذوالحجہ کے دس دن افضل ہیں اور شب قدر کی وجہ سے رمضان کی (آخری) دس راتیں افضل ہیں، کیونکہ یوم عرفہ سال کے تمام دنوں سے افضل ہے اور شب قدر سال کی سب راتوں سے افضل ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:''مامن ایام'' یہ نہیں فرمایا:''مامن لیال.''(تحفۃالاحوذی:530/3)

مندرجہ بالا نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس ایام باقی سال کے سب ایام سے بہتر اور افضل ہیں اور اس میں کوئی استثناء نہیں یہاں تک کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ بھی نہیں، کیونکہ ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں عرفہ کا وقوف ہوتا ہے جس میں اللہ تعالی اپنے بندوں کو مغفرت سے نوازتا ہے، اور انہیں ایام میں مناسک حج وعمرہ کی ادائیگی کی جاتی ہے جو ارکان اسلام میں سے ایک بہت بڑا رکن ہے، البتہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی دس راتیں ان ایام سے بہتر اور افضل ہیں کیونکہ ان میں لیلۃ القدر شامل ہے اور لیلۃ القدر ایک ہزار راتوں سے افضل ہے، لہذا بندۂ مسلم کو چاہیے کہ وہ اس سنہری موقع کو غنیمت جانے اور اس عظیم نعمت کی قدر کرتے ہوئے ان ایام میں مشروع اعمال کرے، چنانچہ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:(إذا فتح لأحدكم باب خير، فليسرع إليه، فإنه لا يدري متى يغلق عنه) ''اگر آپ میں سے کسی کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیا جائے تو اسے اس میں داخل ہونے کے لیے جلدی کرنی چاہیے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ وہ اس کے لیے کب بند کر دیا جائے گا''۔(حلية الأولياء:211/5)

عشرۂ ذی الحجہ کے وظائف واعمال:

ذوالحجہ کے ان دس دنوں میں مندرجہ ذیل کام کرنے چاہییں:

1-حج وعمرہ کی ادائیگی:

اس عشرہ میں کیا جانے والا اہم ترین اور عظیم ترین عمل حج وعمرہ کی ادائیگی ہے، حج اسلام کے محکم اور قطعی فرائض میں سے ایک فریضہ اور اسلام کی پانچ بنیادوں سے ایک بنیاد ہے اس لیے مسلمان صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے، اس کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے:﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾(آل

عمران: 97) ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پرواہے''۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کی آیت (مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً) کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ''الزاد والراحلة'' کی زاد سفر اور سواری مروی ہے''۔(تفسیر ابن کثیر:414/1)

احادیث نبویہ میں حج کی فرضیت کا بڑی وضاحت سے ذکر ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:(أيها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا) ''اے لوگو! بے شک تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، لہٰذا تم حج کرو''، ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال (حج فرض ہے؟)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، حتی کہ اس نے تیسری مرتبہ یہی سوال دہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لو قلت: نعم، لوجبت ولما استطعتم) ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (حج ہر سال) واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے''۔(صحیح مسلم:1337)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ) ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، (1) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، (2) نماز قائم کرنا، (3) زکاۃ ادا کرنا، (4) ماہ رمضان کے روزے رکھنا، (5) (استطاعت ہونے کی صورت میں) اللہ کے گھر کا حج کرنا''۔ (صحیح بخاری:8، صحیح مسلم:16)

ہر صاحب استطاعت شخص پر زندگی میں ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے، جیسا کہ امام ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(وأجمعت الأمة على وجوب الحج على المستطيع في العمر مرة واحدة) ''امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صاحب استطاعت پر عمر میں ایک مرتبہ حج واجب ہے''۔(المغنی:6/5)

حج بے شمار دنیوی واخروی فضائل ومنافع پر مشتمل ایک عبادت ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:(العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة) ''(ایک) عمرہ (دوسرے) عمرہ تک ان کے درمیانی عرصہ (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں''۔(صحیح بخاری: 1773، صحیح مسلم:1349)

2-واجبات شرعیہ اور سنن رواتب ونوافل کا اہتمام:

اس سے مقصود یہ ہے کہ شرعی واجبات بالخصوص نماز کو ان کے مقررہ وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر ان کے سنن وآداب کو مکمل طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے ادائیگی کا اہتمام کرنا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ) ''میرا بندہ جن عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے مجھے وہ عبادات زیادہ پسند ہیں جو میں نے اپنے بندے پر فرض کیں''(صحیح بخاری:6502)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (وفي الإتيان بالفرائض على الوجه المأمور به: امتثال الأمر، واحترام الآمر، وتعظيمه بالانقياد إليه، وإظهار عظمة الربوبية، وذل العبودية، فكان التقرب بذلك أعظم العمل) ''مطلوبہ طریقہ پر فرائض کی ادائیگی میں حکم کی تعمیل بھی ہے اور حاکم کی تعظیم وتوقیر بھی، نیز اس میں ربوبیت کی عظمت ووجاہت اور عبودیت کی شان وشوکت کا اظہار بھی ہے، اس لیے فرائض کے ذریعہ قربت الٰہی کا حصول سب سے افضل عمل قرار پایا''۔(فتح الباری ج11 ص 351)

فرائض کے ساتھ سنن رواتب کی ادائیگی کا بھی خصوصی اہتمام کیا کریں، کیونکہ اس کی وجہ سے آپ کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا، جیسا کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: (مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّي لِلهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَي عَشْرَةَ رَكْعَةً، تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيضَةٍ، إِلَّا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ، أَوْ إِلَّا بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ) ''جو مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہر دن فرضوں کے سوا خوشی سے بارہ رکعات پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے، یا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا''۔(صحیح مسلم: 728)

نوافل کا بھی بکثرت اہتمام کریں کیونکہ یہ محبت الٰہی کے حصول کا باعث ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا: (وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطُشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ) ''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا اتنا قرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چھوتا ہے، اس کی وہ ٹانگ بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے، پھر اگر وہ مجھ سے مانگے تو بلا شبہ یقیناً میں اسے عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو بے شک میں ضرور اسے پناہ دوں گا''۔(صحیح البخاری: 6502)

3-روزوں کا اہتمام:

عشرۂ ذی الحجہ کے ان نو ایام میں عموما اور خاص طور پر یوم عرفہ کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے، اور احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: 184) ''اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (قَالَ اللهُ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ) ''ابن آدم کے سارے اعمال اس کے اپنے لیے ہیں لیکن روزہ نہیں کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر وثواب دوں گا''۔(صحیح بخاری: 1894، صحیح مسلم: 1151)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (بل هي مُستحبَّة استحبابًا شديدًا، لا سيَّما التاسع منها، وهو يومُ عرفة) ''ذی الحجہ کے نو دنوں کا روزہ حد درجہ مستحب ہے، خاص طور پر اس کے نویں دن، جو عرفہ کا دن ہے''۔(شرح مسلم

للنووی:71/8)

امام احمد اور نسائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ محترمہ سے روایت کرتے ہیں کہ:(أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كان يصومُ يومَ عاشوراء، وتسعًا من ذي الحجَّة) ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نو ذی الحجہ اور یوم عاشورہ کے روزے رکھا کرتے تھے‘‘(رواه النسائي: 2372، وأحمد: 2/143، وصحيح ابوداؤد للألباني:2129)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ) ’’یوم عرفہ کے روزوں کے متعلق مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہ دور کردے گا‘‘۔(صحیح مسلم:1162)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:(وظاهره أن صيام يوم عرفة أفضل من صيام يوم عاشوراء، وقد قيل في الحكمة في ذلك أن يوم عاشوراء منسوب إلى موسى عليه السلام، ويوم عرفة منسوب إلى النبي صلى الله عليه وسلم فلذلك كان أفضل)’’اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ رکھنا عاشورہ کے دن روزہ رکھنے سے افضل ہے،اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ عاشورہ کا دن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے اور یوم عرفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے اس بنا پر یہ افضل ہے‘‘۔(فتح الباری:249/4)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:(فأحب صومه إلا أن يكون حاجا فأحب له ترك صوم يوم عرفة لأنه حاج مضح مسافر ولترك النبي صلى الله عليه وسلم صومه في الحج وليقوى بذلك على الدعاء، وأفضل الدعاء يوم عرفة) ’’میں اس دن کے روزے کو پسند کرتا ہوں سوائے حاجی کے،اس کے لیے میں پسند کرتا ہوں عرفہ کے دن کا روزہ نہ رکھے کیونکہ وہ فریضہ حج ادا کرنے والا،قربانی کرنے والا اور مسافر ہے(سب سے بڑی بات) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں روزہ چھوڑنے کی وجہ سے،تاکہ وہ دعا کے لیے خوب توانا رہے اور عرفہ کے دن کی دعا افضل دعا ہے‘‘۔(مختصر المزنی:ص59، فضائل الأوقات، للبيهقي:ص364)

البتہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، ایام تشریق گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ کو کہتے ہیں، کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ایام ہیں۔

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:(أيام التشريق أيام أكل وشرب)’’ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں‘‘۔(صحیح مسلم:1141)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(لا تصوموا هذه الأيام فإنها أيام أكل وشرب)’’ان ایام میں روزہ مت رکھو، کیونکہ وہ کھانے پینے کے دن ہیں‘‘۔

(الصحيحة، برقم:3573)

4-بکثرت ذکر الٰہی اور تکبیرات کا اہتمام:

ان ایام میں کثرت کے ساتھ تلاوت قرآن کریم اللہ تعالی کا ذکر، دعاومناجات اور تکبیر وتہلیل کا اہتمام کرنا چاہیے،جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا

الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾ (سورة الحج: الآية 28) ''تاکہ وہ اپنے بہت سے فائدوں میں حاضر ہوں اور چند معلوم دنوں میں ان پالتو چوپاؤں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اس نے انہیں دیے ہیں، سوان میں سے کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو کھلاؤ''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:(الأيام المعلومات أيام عشر ذی الحجة) ''ایام معلومات سے ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن مراد ہیں''۔

(صحيح البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(ما من أيام أعظم عند الله، ولا أحب إليه العمل فيهن من هذه الأيام العشر، فأكثروا فيهن من التكبير، والتهليل، والتحميد) ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ اور اس میں کیے جانے والے نیک اعمال جس قدر عظیم اور محبوب ہیں، کسی اور دن کے نہیں، لہذا ان میں تہلیل (لااله الا الله) اور تحمید (الحمدلله) کثرت سے کیا کرو''۔

(أحمد، مج 2، ص 131، الحديث رقم 6154)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تکبیرات ایام تشریق کی حکمت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:(وأما التكبير فلأنه ذكر مأثور عند كل أمر مهول وعند كل حادث سرور شكر الله تعالى وتبرئة له من كل ما نسب إليه أعداؤه ولا سيما اليهود قبحهم الله تعالى) ''ہر مشکل اور ہر خوشی کے موقعے پر تکبیر کا پڑھنا سنت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی کا شکر ادا کیا جائے اور اس میں اللہ تعالی کی ذات ہر عیب سے منزہ (پاک) ہونے کا اقرار کرنا مقصود ہے، خصوصا وہ نامناسب باتیں جن کی نسبت بد بخت یہودیوں نے اللہ تعالی کی ذات کی طرف کی ہے''۔(فتح الباری: ج4/ص2)

اسلاف کرام ان ایام میں تکبیرات کا بکثرت اہتمام کیا کرتے تھے، وہ مسجد، بازاروں اور گھروں میں جاتے تو وہاں بھی بلند آواز سے تکبیرات کہتے جسے سن کر دوسرے لوگ بھی صدائے تکبیر بلند کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:(وكان ابنُ عمرَ وأبو هريرةَ يخرجانِ إلى السوقِ في أيَّامِ العشرِ، يُكبِّرانِ ويُكبِّرُ النَّاسُ بتكبيرِهما) ''حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم بازار کی طرف نکل جایا کرتے تھے اور تکبیرات کہا کرتے تھے، پھر ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی تکبیریں کہا کرتے تھے''۔(رواه البخاری فی العيدين)

(وكان عمرُ رضی الله عنه يُكبِّرُ في قُبَّتِه بمِنًى، فيسمَعُه أهلُ المسجدِ فيُكبِّرُونَ، ويُكبِّرُ أهلُ الأسواقِ، حتى ترُتجَّ مِنًى تكبيرًا) ''عمر رضی اللہ عنہ منی میں اپنے خیمے میں تکبیرات کہتے اور ان کی تکبیرات سن کر اہل مسجد اور بازار میں موجود لوگ تکبیرات کہتے حتی کہ منی تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا''۔(رواه البخاری فی العيدين)

واضح رہے کہ غیر حاجی کے لیے تکبیرات عید کا آغاز یوم عرفہ کی فجر سے ہوتا ہے اور ایام تشریق (11،12،13/ ذوالحجہ) کے آخری دن کی نماز عصر تک رہتا ہے، البتہ حجاج کرام یوم نحر کی فجر سے تکبیروں کا آغاز کریں گے، یہ تو مخصوص تکبیروں کا حکم ہے، جبکہ مطلق تکبیرات پورے عشرۂ ذوالحجہ میں ہوں گی۔

5-گناہوں سے توبہ:

ان ایام میں بندۂ مسلم کو اپنے گناہوں سے بکثرت توبہ اور اللہ تعالی سے رحمت و مغفرت طلب کرنی چاہیے، کیونکہ

ارتکاب گناہ ومعاصی دنیا وآخرت میں رحمت الٰہی سے محرومی کا سبب ہے، کیونکہ گناہوں کی وجہ سے علم وعمل، رزق، عمر اور اطاعت الٰہی کے کاموں سے برکت مٹ جاتی ہے، جبکہ توبہ واستغفار اور طاعات الٰہیہ اللہ تعالی کے قرب اور دنیا وآخرت میں فلاح ونجات کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَى أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ﴾ (القصص: 67) ''پس رہا وہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا، سو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا''۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً عَسَى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾(التحریم: 8) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی طرف توبہ کرو، خالص توبہ، تمہارا رب قریب ہے کہ تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں''۔

امام بغوی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ عمر وابی اور معاذ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:(التوبة النصوح أن يتوب، ثم لا يعود إلى الذنب كما لا يعود اللبن إلى الضرع) ''توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ سے اس طرح تائب ہو کہ پھر اس کی طرف نہ پلٹے جیسا کہ دودھ تھن میں سے نکل کر پھر اس میں واپس نہیں جا سکتا''۔(الآداب الشرعية – لابن مفلح:96)

''نصوح فعول کے وزن پر ہے، اصل میں یہ ناصح بروزن فاعل تھا، مبالغہ کے لئے اس وزن پر لایا گیا ہے جیسے شکور، صبور، اس کا اصل مادہ: ن، ص، ح ہے، اس کے معنی ہیں کھوٹ اور ملاوٹوں سے کسی چیز کا خالی ہونا، توبہ، عبادت اور مشورہ میں نصح کا مطلب ہے ان کا ہر قسم کے کھوٹ، نقص اور فساد سے پاک ہونا اور ان اعمال کو مکمل صورت میں ادا کرنا''۔ (تفسیری نکات وافادات، از حافظ ابن القیم – جمع وترتیب: مولانا عبدالغفار حسن رحمانی: 189)

6-اعمال صالحہ کا بکثرت اہتمام:

ان ایام میں کیے گئے اعمال کے برابر کوئی عمل نہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى الله عز وجل مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ، يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ "قالوا: يا رسولَ الله، ولَا الجهادُ في سبيلِ الله؟ قال: "وَلَا الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ) ''اللہ تعالی کو کوئی نیک عمل کسی دن میں اس قدر پیارا نہیں جتنا ان دنوں میں پیارا ہے''۔ یعنی ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور پھر کچھ واپس نہ لایا ہو(شہید ہو گیا ہو)'' (رواه البخاري: 969، وأبو داود، واللفظ له:2438)

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:(وإذا كان العمل في أيام العشر أفضل وأحبَّ إلى الله من العمل في غيره من أيام السنة كلِّها، صار العمل فيه وإن كان مفضولاً أفضل من العمل في غيره وإن كان فاضلاً) ''جب ان دس دنوں میں کیا ہوا نیک عمل بارگاہ الٰہی میں سال کے باقی سارے دنوں میں کیے ہوئے نیک اعمال سے زیادہ فضیلت والا اور محبوب ہے، تو ان دنوں کی کم درجہ کی نیکی دوسرے

دنوں کی بلند درجہ کی نیکی سے افضل ہوگی"۔(لطائف المعارف)

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (وأيام عشر ذى الحجة كلها شريفة مفضلة يضاعف العمل فيها، ويستحب الاجتهاد فى العبادة فيها) "عشرۂ ذی الحجہ کے سارے ایام قابل قدر اور معظم ہیں جس میں نیک عمل کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے اور ان دنوں میں عبادت میں محنت کرنا مستحب ہے"۔(المغني لإبن قدامه ج:443/4)

7-صدقہ وخیرات کرنا:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ لاَ يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلاَ أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (البقرة: 262) "جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ کسی طرح کا احسان جتلانا لگاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف پہنچانا، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ) "صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا"(صحيح مسلم:2588)

"صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا، اس کی دو صورتیں ہیں، پہلی یہ کہ صدقہ دینے سے مال میں برکت ہوتی ہے نیز بلائیں ٹل جاتی ہیں، اس طرح صدقہ دینے سے مال میں ہونے والی کمی پوری ہوجاتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ مال بظاہر کم ہوتا ہے مگر صدقہ دینے پر اللہ تعالی کے ہاں جو اجروثواب لکھا جاتا ہے وہ مال کی کمی سے کہیں زیادہ اہم ہے"۔(موسوعة نضرة النعيم:2527)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(وَالصَّدَقَةُ تُطْفِءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِءُ الْمَاءُ النَّارَ) "صدقہ گناہوں اور خطا کاریوں کو ایسے ہی مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے"۔(صحيح الترغيب:983)

8-دعا کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ) "دعا عبادت ہی ہے"(صحيح أَبُو دَاوودَ: 1329، والتِّرْمِذيُّ، وابنُ مَاجَةَ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ)

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ (الفرقان: 77) "کہہ میرا رب تمہاری پروا نہیں کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہو"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(ليس شيء أكرم على الله سبحانه من الدعا) "اللہ تعالی کی نظر میں دعا سے زیادہ قابل قدر کوئی چیز بھی نہیں ہے"۔(صحيح الجامع الصغير:955/2)

لہذا بندۂ مسلم کو ذی الحجہ کے ان دس ایام میں بالخصوص عرفہ کے دن گڑگڑا کر کثرت سے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے، کیونکہ 9 / ذوالحجہ نہایت مبارک ومخصوص دن ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"بہترین دعا یوم عرفہ کی دعا ہے اور بہترین ذکر ودعا جو میں نے اور مجھ سے قبل انبیاء نے کی ہے وہ یہ ہے:(لا الـه إلا اللـهَ وحدَهُ لا شريكَ لَهُ، لَهُ المُلكُ ولَهُ الحمدُ وهُوَ عَلَى كلِّ شيءٍ قديرٌ) "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی

کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔(سنن ترمذی: 3585، مشکاۃ: 797/2، علامہ البانی رحمہ اللہ نے شاہد کی بناء پر اسے حسن قرار دیا ہے)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ یوم عرفہ کی دعا اکثر و بیشتر قابل قبول ہوتی ہے''۔(التمهيد: 41/6)

9-نماز عید کی ادائیگی:

اس عشرے میں کیے جانے والے اعمال میں سے ایک عظیم ترین عمل نماز عید کی ادائیگی اور خطبۂ عید کا سننا بھی ہے، عید اللہ تعالی کے لیے عبودیت و بندگی کے شعائر کا مظہر بھی ہے، عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر ایسی عیدیں ہیں جنہیں خود اللہ تعالی نے مشروع کیا ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:(لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ) (الحج: 67)''ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنادیا ہے جسے وہ بجالانے والے ہیں''۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ:''مَنسَكًا'' کامعنی یہاں عید ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ ان لوگوں کی دو عیدیں تھیں، جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:(ما هذان اليومان؟)''یہ دو دن کیا ہیں؟''انہوں نے بتایا کہ ہم عہد جاہلیت میں ان دونوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(قد أبدلكم الله خيرا منهما: يوم الأضحى ويوم الفطر)''اللہ تعالی نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے ان سے بدرجہا بہتر دو دن عطا کر دیے ہیں: عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر''۔(مسند احمد: 103/3، سنن ابو داؤد: 1134، سنن نسائی: 1556)

اللہ تعالی نے عیدالاضحیٰ کو 10 / ذوالحجہ کے دن مقرر فرمایا ہے اور یہ دونوں عیدوں میں بڑی اور افضل عید ہے، جو وقوف عرفات کے بعد آتا ہے وہ رکن حج جو حج کے تمام ارکان سے بڑا (رکن اعظم) ہے اور اسی دن کو اللہ تعالی نے''یوم حج اکبر'' بھی قرار دیا ہے، کیونکہ حج کے اکثر اعمال کی انجام دہی اسی دن میں ہوتی ہے، جبکہ وہ مسلمان جو حج نہ کر رہے ہوں ان کے لیے یوم عرفہ کا روزہ اور اجتماع کی شکل میں نماز عیدالاضحیٰ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

عورتوں کو بھی باپردہ حالت میں اور خوشبو لگائے بغیر عید کی نماز میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:(أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نخرجهن في والأضحى العواتق والحيض وذوات الخدور فأما الحيض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين)''ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ ہم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں جوان دوشیزاؤں، حیض ونفاس والی عورتوں اور پردہ نشین خواتین کو بھی عیدگاہ میں ساتھ لے جائیں، حیض والی عورتیں نماز سے تو الگ رہیں، البتہ خیر و برکت اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شرکت کریں''۔(صحيح بخاری: 974)

10-قربانی کرنا:

یوم النحر کے دن اللہ عزوجل کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرکے اپنے رب کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنا اسلام کے عظیم شعائر میں سے ہے، قربانی کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ

جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴾ (الحج: 34) ''اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تا کہ چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں، سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے!''۔

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ * لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الحج: 36، 37) ''اور قربانی کے بڑے جانور، ہم نے انہیں تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے بنایا ہے، تمہارے لیے ان میں بڑی خیر ہے، سو ان پر اللہ کا نام لو، اس حال میں کہ گھٹنا بندھے کھڑے ہوں، پھر جب ان کے پہلو گر پڑیں تو ان سے کچھ کھاؤ اور قناعت کرنے والے کو کھلاؤ اور مانگنے والے کو بھی، اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے لیے مسخر کر دیا، تا کہ تم شکر کرو، اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچیں گے اور نہ ان کے خون اور لیکن اسے تمہاری طرف سے تقوی پہنچے گا، اسی طرح اس نے انہیں تمہارے لیے مسخر کر دیا، تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دے"۔

فرمان الٰہی ہے: (فصل لربک وانحر) (الکوثر: 2) ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ (اس آیت کی تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ: (والصحيح القول الأول: أن المراد بالنحر ذبح المناسك) ''صحیح یہ ہے کہ "نحر" سے مراد جانور ذبح کرنا ہے، یعنی اونٹ کی قربانی وغیرہ کرنا''۔ (تفسیر ابن کثیر، ج: 597/4)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ) ''تمام دنوں سے بہتر اللہ کے نزدیک قربانی کا دن ہے، پھر منی میں ٹھہرنے کا دن ہے'' (سنن ابو داؤد: 1765، اس حدیث کی اسناد جید ہے، ملاحظہ ہو تحقیق مشکاۃ ج ۲/ ۱۸ ۰ ۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد مدنی زندگی میں باقاعدگی کے ساتھ ہر سال قربانی کیا اور اپنی امت کو بھی تاکید فرمائی کہ ان کا ہر گھرانہ ہر سال قربانی دے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: (أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ میں قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کی'' (سنن ترمذی)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ولم يكن صلى الله عليه وسلم يدع الأضحية) ''آپ نے کبھی بھی قربانی ترک نہیں کی''۔ (زاد المعاد: ج2/317)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (من كان له سعة ولم يضح، فلا يقربن مصلانا) ''جس کے پاس قربانی کی طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب ہرگز نہ پھٹکے''۔ (صحیح الجامع: 6490)

ایک سے زیادہ جانوروں کی قربانی مسنون ومستحب

فعل ہے، بشرطیکہ اس عمل میں سنت کی پیروی، اخلاص، حصول تقوی وللّٰہیت ہو، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:(كان النبي صلى الله عليه وسلم يضحي بكبشين وأنا أضحي بكبشين) ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھے ذبح کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھے ذبح کرتا ہوں''۔(صحيح بخاری: 5553، سنن نسائی: 439)

حضرت ابن بطال رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(فمن أراد أن يضحي عن نفسه بإثنين أو ثلاثة، فهو أزيد في أجره إذا أراد بذلك وجه الله وإطعام مسكين) ''جوشخص اپنی طرف سے دو یا تین قربانیاں کرنا چاہے یہ عمل اس کے لیے زیادہ اجروثواب کا باعث ہے بشرطیکہ اس عمل سے رضائے الٰہی اور مساکین کو کھلانا مقصود ہو''۔(شرح ابن بطال: 14/11)

درحقیقت قربانی کرنے والے کو یہ اختیار ہے کہ وہ جتنا چاہے خود کھائے اور جتنا چاہے دوسروں کو کھلائے اور جتنا چاہے ہدیہ اور صدقہ کرے، کھانے کھلانے اور ہدیہ دینے یا صدقہ کرنے کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، لیکن اگر وہ ایک ثلث صدقہ کردے تو زیادہ بہتر ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:(ويتصدق بثلثها ويهدي ثلثها، وإن أكل أكثرها أو أهداه أو أكله أو طبخها ودعا الناس إليها جاز) ''قربانی دینے والا ایک ثلث صدقہ کرے اور ایک ثلث ہدیہ دے اور اگر اکثر حصہ کھالے یا اکثر حصہ ہدیہ دے دے یا اکثر حصہ کھلا دے یا پکا کر لوگوں کی دعوت کردے تو بھی جائز ہے''۔(مجموع فتاوی ابن تیمیه: 309/26)

جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھے اسے چاہیے کہ وہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد سے دسویں ذی الحجہ کے دن اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال کاٹنے اور ناخن تراشنے سے مکمل طور پر پرہیز کرے، جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(إِذَا رَأَيْتُمْ هِلاَلَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ) ''جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے باز رہے''۔(صحيح مسلم: 1977)

امام نووی رحمہ اللہ بال اور ناخن زائل نہ کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:''عشرۂ ذی الحجہ میں بال اور ناخن کاٹنے کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ قربانی کرنے والا کامل الاعضاء رہے اور اسے جہنم سے کامل الاعضاء آزاد کیا جائے''۔(شرح النووی: 138/13، نيل الاوطار: 119/5)

اور قربانی کے لیے ایسے جانوروں کا انتخاب کریں جو مندرجہ ذیل حدیث میں مذکور عیوب سے پاک ہوں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: کس جانور کی قربانی سے بچنا چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: ''چار قسم کے جانوروں سے بچنا چاہیے، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری واضح ہو، اور انتہائی کمزور لاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو''۔(رواه احمد: 18675)

لہٰذا ہر مسلم مرد و عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مبارک ایام کو غنیمت سمجھیں، اور بکثرت اعمال صالحہ کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالی کی رضا اور اس کی جنت کے مستحق قرار پائیں۔ ❁❁❁

مولانا قمرالدین ریاضیؔ
استاد جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر

ابتلاء وآزمائش اور بندۂ مومن

اللہ رب العالمین کی یہ سنت رہی ہے کہ جب وہ اپنے بندوں کو مصائب وآلام سے دوچار کر کے ابتلاء وآزمائش میں ڈالتا ہے تو اس کے پیچھے ایک عظیم حکمت پنہاں ہوتی ہے کہ جب بندہ مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو وہ عمومی طور پر صرف اللہ رب العالمین ہی کو یاد کرتا ہے اور پورے یقین واعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف لوٹ آتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے کفار ومشرکین کے حوالہ سے نقشہ کھینچا ہے: (**فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین، فلما نجاھم الی البر اذاھم یشرکون**) ترجمہ: پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔(سورۃ العنکبوت: ۶۵)

چنانچہ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب اس انسان مصائب ومشکلات میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ دنیا کے جھمیلوں سے الگ ہو کر اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط کرنے میں پورے انہماک ودلجمعی سے لگ جاتا ہے، اور اپنا اکثر وبیشتر وقت اللہ رب العالمین کی یاد میں صرف کرتا ہے۔ اسی لیے ایک بندہ مؤمن کے لیے مصائب وبلاء کا نزول ہونا خیر کا باعث ہوا کرتا ہے، ارشاد نبوی ہے: (**عجبا لأمر المؤمن ان أمرہ کلہ خیر، ولیس ذلک لأحد الا المؤمن؛ ان اصابتہ سراء فشکر فکان خیرا لہ وان أصابتہ ضراء صبر فکان خیرا لہ**) (رواہ مسلم) ترجمہ: مومن کا معاملہ عجیب ہے، اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کس اور کو میسر نہیں اسے خوشحالی ملے تو شکر گزاری کرتا ہے اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بھلائی ہوتی ہے۔(رواہ مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ح ۷۵۰۰)

مذکورہ حدیث سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ مصائب وآلام بندہ مؤمن کے لئے خاص طور سے خیر کا باعث ہوا کرتے ہیں، پس جو اللہ رب العالمین کے قضاء وقدر سے راضی وخوش رہا اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور جس نے واویلا مچایا اور جزع فزع کیا وہ خائب وخاسر ہوگا، اور محرومی ومایوسی کے علاوہ کوئی چیز حاصل نہ ہوگی۔

قارئین کرام! بلا شبہ وبائی بیماریوں کے نزول سے انسانی زندگی تباہ وبرباد ہوجاتی ہے، معیشت حد درجہ کمزور ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ بہت سارے گھروں میں فاقہ کشی کی نوبت آجاتی ہے جس کا مشاہدہ ہم اور آپ موجودہ وقت میں کرونا نامی بیماری کے وقت واضح طور پر کر رہے ہیں، سارے لوگ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر اپنے گھروں میں محبوس ہوگئے، لیکن وہیں دوسری طرف اس کورونا نے مؤمنوں کو بہت سارے مواقع بھی فراہم کیے جو عام طور سے لوگوں کو نہیں مل پاتے۔ درج ذیل سطور میں اختصار کے ساتھ ان اعمال کا ذکر کیا جارہا ہے جس کا اہتمام ایک مسلمان کو وبائی بیماریوں کے نزول میں

کرنا چاہیے:

ا۔صبر وتحمل کامظاہرہ کرنا : مصیبت زدہ مسلم معاشرے کا شیوہ وطریقہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ مصائب وآلام میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کرے، اوراللہ رب العالمین کے فیصلوں پر رضا مندی کا اظہار کرے ، ایسے اوصاف سے متصف ہونے والوں کو بشارت دیتے ہوئے اللہ رب العالمین فرماتا ہے: ﴿ **ولنبلوکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین ،الذین إذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانااِلیہ راجعون....** ﴾

ترجمہ:اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اوران صبر کرنے والوں کوخوشخبری دے دیجیے۔ جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خوداللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(سورۃ البقرۃ: ۱۵۵۔۱۵۶)

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے:﴿ **واصبر علی ما أصابک ان ذلک من عزم الأمور** ﴾ترجمہ::اورجو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا ، یقین مانو کہ یہ بڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے۔(سورۃ لقمان: ۱۷)

پس جب ہم مصائب کے نزول پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں گے تو گویا کہ ہم اپنے دل وقلب کے ذریعہ سے اللہ رب العالمین کی عبادت کررہے ہیں کیونکہ اللہ کے فیصلوں پر راضی ہونا اور صبر کرنا قلبی عبادات میں شمار ہوگا اور ان عبادات کا اجروثواب اللہ کے یہاں یقینی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ بکثرت اللہ کا ذکر واذکار کیا جائے اورنوافل کا اہتمام کیا جائے ،قرآن کریم کی تلاوتوں کا اہتمام کیا جائے؛ کیونکہ بندہ مومن اپنے فراغ کوغنیمت سمجھتا ہے اوراس کا استعمال اللہ رب العالمین کی عبادت وریاضت میں کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ **فاذا فرغت فانصب، والی ربک فارغب** ﴾ترجمہ: پس جب تو فارغ ہوتو عبادت میں محنت کر، اوراپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔ (سورۃ الشرح: ۷۔۸)

امام محدث ہشام دستوائی فرماتے ہیں کہ:(جب طاعون کی بیمار پھیلی ہوتی تھی تو ہم دو رکعت نماز پڑھنے کوحدیث طلب کرنے سے افضل سمجھتے تھے) آج ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ جب کوئی وبائی بیماری پھیلتی ہے تو ہم اس کو اپنا موضوع بحث بنالیتے ہیں اس حوالہ سے بکثرت چہ میگوئیاں کرتے ہوئے سوشل میڈیا پر نظریں جمائے اپنا سارا وقت ضائع وبرباد کردیتے ہیں ، اور جزع فزع کرتے ہوئے قضاء الہی پر ناراضی کا اظہار کرتے ہیں، جب کہ ہمارا یہ شیوہ شریعت کے بالکل معارض ہے۔

۲۔ بلا شبہ مصیبتوں میں اللہ رب العالمین پر توکل کرنا : مصائب وآلام میں تخفیف کا باعث ہوا کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:﴿ **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ أمرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا** ﴾ترجمہ: اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا اللہ تعالی اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔

(سورۃ الطلاق: ۳)

اسی طرح توکل یہ مؤمنین کے خاص صفات میں سے ہے، اورانھیں حقیقی مؤمن قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:﴿ **انما المؤمنون الذین إذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون** ﴾ترجمہ:بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالی کا ذکر آتا ہے تو ان کے

قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (سورۃ الانفال: ۲)

تمام انبیاء کرام نے اپنے ابتلاء وآزمائش میں اللہ ہی پر بھروسہ کیا چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے قوم والوں نے ان کا مذاق اڑانا شروع کیا اور جھٹلانے لگے تو انہوں نے اللہ رب العالمین سے پناہ طلب کی اور اللہ ہی پر بھروسہ کیا جیسا کہ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے: ﴿**واتل عليهم نبأ نوح اذ قال لقومه ياقوم ان كان كبر عليكم مقامي وتذكيري بآيات الله فعلى الله توكلت**﴾ ترجمہ: اور آپ ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنائیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا اور احکام الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ ہی پر ہے۔ (سورۃ یونس: ۷۱) چنانچہ ان کے توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ظالمین کو غرق کر دیا اور مؤمنین نجات پا گئے۔

۳۔ عاجزی وانکساری کا اظہار کرنا: مصیبتوں کے نازل ہونے پر ایک مومن کا طریقہ ہونا چاہیئے کہ وہ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار کرے اور کہے کہ اے اللہ! ہم تیری قدرت کے سامنے عاجز وبے بس ہیں، تو ہی ہم کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے، ہم تیرے بندے ہیں اور تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**يايها الناس أنتم الفقراء الى الله والله هو الغني الحميد**﴾ ترجمہ: اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ (سورۃ فاطر: ۱۵)

۴۔ دعاؤں کا اہتمام کرنا: بندہ مؤمن جب ابتلاء وآزمائش میں مبتلا ہو تو اسے اللہ رب العالمین کی طرف لوٹنا چاہیے اور دعاؤں کا سہارا لینا چاہیے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ''**ما من مسلم تصيبه مصيبة فيقول ما أمره الله انا لله وانا اليه راجعون اللهم أجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها الا أخلف الله له خيرا منها...**'' ترجمہ: جب کسی مسلمان کو مصیبت پہنچے اور وہ وہی کہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے: یقیناً ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ مجھے میری مصیبت پر اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدل عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا بہتر بدل عطا فرماتا ہے۔ (رواہ مسلم: كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، ح ۲۱۲۶)

۳۔ ڈاکٹر و نرسوں کا وبائی بیماری میں ملوث افراد کا علاج کرنا:

سماج ومعاشرہ میں وبائی بیماریوں کے پھیلنے کی صورت میں اطباء ونرسوں کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں ان کو چاہیے کہ وہ ان احوال میں ملوث افراد کا خاص خیال کریں، اللہ رب العالمین نے جو ان کو علم طب کی معرفت عطا کر رکھی ہے اس کا استعمال کریں، احتیاطی تدابیر اختیار کر کے ان مریضوں کا علاج کریں اس اعتقاد وجذبہ کے ساتھ کہ میں یہ کام انسانیت کو بچانے کے لیے کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع وبرباد نہیں کرے گا۔

اخیر میں اللہ رب العالمین سے دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر مصیبت وبلاء سے محفوظ رکھے، آمین۔

❁❁❁

سعود اختر عبدالمنان سلفی

مریض کی عیادت کے فضائل وآداب

مریض کی تیمارداری وعیادت اسلام کے اعلیٰ ترین آداب میں سے ہے، اس کے ذریعہ باہم مودت ومحبت، غم گساری ودل جوئی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، زائر کے تسلی وحوصلہ افزا کلمات کے ذریعہ مریض کے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، حوصلہ ملتا ہے، حزن وملال میں کسی قدر کمی واقع ہوتی ہے، اسی لیے شریعت مطہرہ نے اپنے متبعین کو اس کی ترغیب وتشویق دلائی ہے اور قرآن وسنت میں نہایت ہی بلیغ انداز میں اس کی تعلیم دی گئی ہے اور عیادت وتیمارداری کو مسلمانوں کے باہمی حقوق میں سے ایک حق متعین کیا گیا ہے، چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ’’حق المسلم على المسلم خمس: ردالسلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة ،وتشميت العاطس‘‘ (صحیح بخاری: ۱۲۴۰، صحیح مسلم: ۵۶۵۰)

ترجمہ: ’’مسلمانوں کے مسلمانوں پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت وتیمارداری کرنا، جنازوں کے پیچھے چلنا (شرکت کرنا) دعوت قبول کرنا، چھینکنے والے کا جواب دینا۔‘‘

امام احمد اور امام مسلم کی ایک روایت میں چھ حقوق کا ذکر ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’حق المسلم على المسلم ست قيل ماهي يارسول الله؟قال إذالقيته فسلم عليه وإذا دعاک فاجبه وإذا استنصحک فانصح له وإذاعطس فحمدالله فشمته وإذا مرض فعده وإذامات فاتبعه‘‘

(مسند احمد: ۸۸۴۵، صحیح مسلم: ۲۱۶۲)

ترجمہ: ’’ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، کہا گیا وہ کون ہیں؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم اس سے ملو تو اس کو سلام کرو اور جب تم کو وہ دعوت دے تو قبول کرو اور جب تم سے وہ نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کرو اور جب اسے چھینک آئے اور الحمدللہ کہے تو اس کے لیے رحمت کی دعا کرو، جب وہ بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ فوت ہوجائے تو اس کے پیچھے (جنازہ میں) جاؤ۔‘‘

ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مریض کی عیادت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ’’اطعموا الجائع وعودواالمريض وفكوا العانى‘‘ (صحیح بخاری: ۵۳۷۳)

ترجمہ: ’’بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہا کرو۔‘‘

شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کو باہمی حقوق کی ادائیگی پر شدید تاکید کی ہے اور اس کے فضائل وفوائد بیان کرکے مومنین کے دلوں میں نعمتوں کے حصول کا شوق بھی پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’من عاد مريضاً نادى منادمن السماء طبت، وطاب

ممشاک، وتبوأت من الجنة منزلا"(سنن ابن ماجہ: ۱۴۴۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے)

ترجمہ:"جو شخص مریض کی عیادت کرے تو اس کے لیے آسمان سے اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے تو پاک ہے اور بہتر ہے اور تمہارا چلنا بہت اچھا ہے اور تم نے جنت میں ایک گھر بنالیا ہے۔"

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے عیادت کرنے والے کے لیے خوش خبری و بشارت سنائی ہے کہ وہ جنت کے میووں میں رہتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:" **مامن مسلم يعود مسلماغدوة إلا صلى عليه سبعون ألف ملك، حتى يمسى، وإن عاده عشية إلاصلى عليه سبعون الف ملك، حتى يصبح وكان له خريف في الجنة**"(صحیح/سنن الترمذی: ۹۶۹)

ترجمہ:"جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت میں عیادت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اور جنت میں اس کے لیے چنے ہوئے پھلوں کا حصہ ہے، نیز فرمایا" **إن المسلم إذا عادأخاه المسلم لم يزل في خرفة الجنة حتى يرجع .**"(صحیح مسلم: ۲۵۶۸)

ترجمہ:"مسلمان جب اپنے مسلم بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ واپس ہونے تک برابر جنت کے تازہ پھلوں کو چنتا رہتا ہے۔"

اسی طرح ایک مقام پر عیادت و تیمارداری کو رب کی رضاوخوش نودی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، اور انسان کی عیادت کو اللہ نے اپنی عیادت کے مشابہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا "**یاابن آدم! مرضت فلم تعدني قال يارب، كيف اعودك وانت رب العالمين؟ قال اماعلمت ان عبدي فلانامرض فلم تعده،اماعلمت انک لو عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عنده**"(صحیح مسلم: ۲۵۶۹)

ترجمہ:"اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو تم نے میری تیمارداری نہیں کی، آدم کہے گا کہ اے میرے رب میں تمہاری عیادت کیسے کرتا، جب کہ تو سارے جہاں کا پروردگار ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی تیمارداری نہیں کی، کیا تجھے معلوم نہیں تھا اگر تم اس کی تیمارداری کرتے تو تم یقیناً مجھے اس کے پاس پاتے۔"

متذکرہ بالا تمام دلائل سے عیادت کے فضائل بخوبی معلوم ہوجاتے ہیں، ہر مسلمان کو کتاب وسنت میں وارد وعدوں اور بشارتوں کے حصول کے لیے اس اہم فریضہ کو ہر قسم کے ریاونمود سے بالاتر ہوکر" **خالصة لوجه الله**"انجام دینا چاہیے۔

عیادت کے آداب:

مریض کے سکون وراحت کے لیے احادیث کے ذخائر میں عیادت کے آداب وطریقے بتائے گئے ہیں، ان میں سے چند اہم آداب قلم بند کیے جارہے ہیں تاکہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوکر سنت کے مطابق عیادت کا فریضہ انجام دے

سکیں اور اس کے ثواب کو حاصل کر سکیں نیز مریض یا اس کے اہل خانہ کسی قسم کی حرج و تنگی اور اذیت میں مبتلا نہ ہوں۔

(۱) اخلاص نیت:

کوئی بھی عمل خواہ و دنیا کی نگاہ میں کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو اگر وہ خلوص وللّٰہیت اور نیت صادقہ سے عاری ہے تو عنداللہ مقبول و محمود نہیں، اسی لیے شریعت نے ہر عمل کے لیے اپنے متبعین کو خلوص وللّٰہیت کا پابند بنایا ہے۔

جب بندۂ مومن اپنے مریض بھائی کی عیادت کرے تو اس کا مقصد محض اللہ کی رضا و خوش نودی ہو اور اس عمل پر اللہ سے ہی اجر و ثواب کا طلب گار ہونا چاہیے کسی کی عیادت و بیمار پرسی کر کے سوشل میڈیا کے ذریعہ دنیا کو باخبر کرنا اور داد و تحسین حاصل کرنے سے دنیا میں تو پیٹھ تھپتھپائی جاسکتی ہے، لیکن عنداللہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ یہ مسنون عمل اپنے دائرہ سے نکل کر ریاکاری اور دکھاوے میں داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح معاشرہ میں بعض لوگوں نے اسے ایک رسم یا سیاست کی روٹی سینکنے کا ہتھکنڈا بنا رکھا ہے، جب کہ کچھ بھولے بھالے لوگوں کا خیال ہے کہ جو ہماری یا ہمارے اہل خانہ میں سے کسی کے بیمار ہونے پر عیادت و مزاج پرسی کے لیے ہمارے غریب خانہ پر آ کر تسلی کے کلمات اور دعائے خیر کرے گا ہم صرف اسی کے بیمار ہونے پر اس کے گھر جا کر عیادت کریں گے جو ہمارے یہاں نہیں آتے ہم ان کے یہاں نہیں جائیں گے گویا کہ یہ عیادت کبھی رسم تو کبھی سیاست، کبھی بدلہ کے طور پر چکایا جاتا ہے تو کبھی تصویر کھنچوا کر واہ واہی کے لیے سوشل میڈیا پر سجایا جاتا ہے۔

اگر ہم نے عیادت و تیمارداری کو مذکورہ دنیاوی مقاصد کے لیے انجام دیے تو یقین کرلیں کہ اس کا کچھ بھی ثواب ہم کو حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) مناسب وقت کا خیال کرنا:

عیادت کرنے والا جب کسی مریض کی عیادت کرنے کا ارادہ کرے تو ان اوقات کا خیال رکھے جن میں شریعت نے دوسروں کے گھروں میں جانے سے منع فرمایا ہے، چونکہ مریض اور اس کے اہل خانہ آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں، مریض کی نگہداشت و نگرانی کے لیے انھیں اپنی راتوں کی نیندوں کو قربان کرنا پڑتا ہے، دن کے اوقات میں ان میں سے بعض اپنی نیندوں کو کچھ حد تک مکمل کرتے ہیں اور مریض کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے مناسب وقت کا خیال کر کے مریض کی عیادت کی جائے اور اپنے غیر دانش مندانہ قدم سے دوسروں کے سکون کو غارت نہ کیا جائے۔

مریض سے اس کی حالت دریافت کرنا:

مریض کی عیادت کرنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ مریض کی حالت دیکھ کر اس سے اس کی صحت سے متعلق سوال و جواب کرے، اگر اس کی حالت اس لائق ہو کہ وہ اپنی حالت بتا سکتا ہے تو اس سے اس کی طبیعت کے متعلق سوال کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے غزوۂ خندق کے موقع پر "**کیف اصبحت و کیف امسیت**" کے ذریعہ سے حالت دریافت کی تھی۔(الأدب المفرد للبخاری: ۱۱۲۹)

لیکن اگر اس کا گفتگو کرنا مشکل معلوم ہو یا پریشانی کے ساتھ بول رہا ہو، نقاہت و کمزوری بہت زیادہ ہو تو اس کے بجائے اس کی حالت اس کے اہل خانہ سے دریافت کی جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پاس سے باہر نکلے جس بیماری میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو لوگوں نے

پوچھا:" یاابالحسن! کیف اصبح رسول الله؟قال اصبح بحمدالله بارئا"(صحیح بخاری:۴۴۴۷)

اے ابوالحسن! رسول ﷺ نے کیسے صبح کی یعنی آپ ﷺ کا کیا حال ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا الحمدللہ آپ ﷺ نے بہتر حالت میں صبح کی۔

مذکورہ حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر مریض کی حالت نہایت ہی سنگین یا نازک ہو،اس سے ملاقات کرنا یا دیکھنا ممکن نہ ہوتو اس کی صحت سے متعلق اس کے اہل خانہ یا قرابت داروں سے معلوم کر لینا چاہیے۔

اس ضمن میں ایک دوسری نہایت ہی اہم بات معلوم ہوتی ہے کہ مریض کے اہل خانہ کو عام لوگوں سے اس کے روبہ صحت ہونے کی اطلاع فراہم کرنی چاہیے تاکہ لوگ مایوسی میں مبتلا نہ ہوں،البتہ ڈاکٹرس واطباء کو یا صحت کے میدان میں کام کرنے والے افراد کو صحیح صورت حال سے باخبر کرنا چاہیے تاکہ وہ مرض کی شدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے علاج کرسکیں۔

مریض کے لیے دعا کرنا:

مریض کی عیادت کے لیے وارد شخص کو چاہیے کہ وہ پورے خلوص وللّٰہیت اور یقین واذعان کے ساتھ مریض کی شفایابی کے لیے دعا کرے اور داخل ہوتے ہی نبی اکرم ﷺ کے طریقہ کے مطابق" لابأس طهور إن شاء الله" کہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ جب بھی کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے" لابأس طهور إن شاء الله" کوئی فکر(بات) نہیں،اللہ نے چاہا تو یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے والی ہوگی۔(صحیح بخاری:۳۶۱۶)

مریض کے پاس بیٹھ کر لایعنی اور فضول باتوں،ہنسی مذاق،ٹھٹھا مخول سے اجتناب کرنا چاہیے،اس کے قریب بیٹھ کر اچھی گفتگو کرنی چاہیے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"إذا حضرتم المريض، أو الميت فقولوا خيراً،فإن الملائكة يؤمنون على ماتقولون""جب تم بیمار یا میت کے پاس آؤ تو اچھی اور بھلی بات کہو،اس لیے جو تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔"(صحیح مسلم۹۱۹)

اس کے بعد اس کی صحت یابی کے لیے احادیث میں وارد دعاؤں کے ذریعہ سے دعا کی جائے،ذیل میں چند دعائیں قلم بند کی جارہی ہیں تاکہ عوام الناس اسے یاد کر کے خود بھی پڑھیں اور دوسرے مریضوں پر بھی وہ دعائیں پڑھ کر دم کردیا کریں،اگر خلوص وللّٰہیت اور اذعان ویقین کے ساتھ دعائیں کی جائیں گی تو تیر بہ ہدف ثابت ہوں گی،ان شاءاللہ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ اے محمد! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تو حضرت جبرئیل نے کہا:" بِسْمِ اللّٰهِ ارقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُوذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ، أوْعَيْنِ حَاسِدٍ، اللّٰهُ يَشْفِيكَ،بِسْمِ اللّٰه ارْقِيكَ"(صحیح مسلم:۲۱۸۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بعض گھر والوں کی عیادت کرتے تو اپنا دایاں ہاتھ مریض کے درد والی جگہ پر رکھتے اور فرماتے:

" اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، أَذْهِب البَأسَ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إلا شفاء ک شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَماً".(صحیح بخاری:۵۷۴۳،صحیح مسلم:۲۱۹۱)

حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے اس درد کے بارے میں عرض کیا جو وہ اپنے جسم میں محسوس کررہے تھے تو آپ ﷺ

نے ان سے فرمایا کہ اپناہاتھ درد والے مقام پر رکھواور سات مرتبہ ''أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحاذِرُ'' کہو۔(صحیح /جامع ترمذی: ۲۰۸۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی بیمار پرسی کرے، اس کی موت کا وقت ابھی نہ آیا ہو تو اس کے پاس سات مرتبہ '' أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ان يَشْفِيَكَ'' کہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس مرض سے عافیت عطا فرما دیتا ہے۔(صحیح /سنن أبو داود: ۳۱۰۶)

مریض کو صبر کی تلقین کرنا:

عیادت کرنے والا مریض کو لاحق بیماریوں اور آزمائشوں اور وقتی مصیبت پر صبر کی تلقین کرے اور اس بات کی یقین دہانی کرائے کہ مصائب ومشکلات میں صبر کرنے والوں کا عنداللہ بڑا مقام ومرتبہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ،الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ ،أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾

(البقرة:۱۵۵-۱۵۷)

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے دشمن کے ڈر سے بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے، جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی مصیبتوں پر صبر کرنے کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے مصیبتوں پر صبر کرنے والے کو بے انتہا اجر وثواب کا مستحق قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔(صحیح بخاری: ۲۹۹۶، ۵۶۴۱، ۵۶۴۵، ۵۶۴۷)

عیادت کرنے والا مریض کو اللہ کے وعدوں سے متعلق آگاہ کرے اور اسے صبر کرنے کی تلقین کرے، اور صبر کے فوائد وثمرات اس کے سامنے بیان کرے۔

مریض کے پاس بہت دیر تک بیٹھنے سے گریز کرنا:

عیادت کرنے والوں کو مریض کے پاس بہت دیر تک بیٹھنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ بسا اوقات مریض کو کوئی حاجت ہوتی ہے اور وہ دوسروں کی موجودگی میں کہنے سے شرماتا ہے، کبھی وہ اپنی والدہ، بیوی، بچیوں بہنوں اور دوسری گھر کی خواتین کو اپنے اردگرد دیکھنا چاہتا ہے لیکن غیر محرم مرد کی موجودگی کے باعث یہ ممکن نہیں ہو پاتا جس سے مریض کے دل کی کیفیت دگرگوں اور سکون غارت ہو جاتا ہے، بعض لوگ اپنی جہالت یا ناسمجھی کی بنیاد پر اس کے مرض میں اضافہ کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مریض کی ضرورتوں کا خیال رکھیں اور مختصر وقت میں اس کی بیمار پرسی کر کے اس کے پاس سے ہٹ جائیں البتہ اگر مریض کا کوئی قریبی دوست یار ہو اور اس سے اس کو اکتاہٹ نہ ہو بلکہ اس کی باتوں سے اسے سکون حاصل ہو اور اس کی دل لگیوں پر وہ ہنسے مسکرائے اور وقتی طور پر وہ اپنی بیماری کو بھول جائے تو اس کا دیر تک بیٹھنا معیوب نہیں۔

مریض سے بکثرت اور غیر ضروری سوالات سے احتراز کرنا:

عیادت کرنے والا مریض کو اپنے بے ہنگم اور غیر معقولانہ سوالات سے پریشان نہ کرے، اگر وہ نیم غنودگی کے عالم میں ہو اور اس کی آنکھیں بند ہوں تو اسے یہ کہہ کر عاجز نہ کرے کہ آپ اپنی آنکھیں کھولیں، مجھے پہچان رہے ہیں یا نہیں؟ یا اس طرح کسی بھی قسم کے پریشان کن جملوں سے مریض کو تنگ نہ کرے، کیونکہ مریض پہلے سے ہی پریشان ہوتا ہے، غیر ضروری سوالات سے مزید الجھن میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اس کے اندر چڑچڑاپن پیدا ہوجاتی ہے۔

اللہ سے اچھی امید قائم کرنے کی تلقین کرنا:

اللہ تمام چیزوں کا خالق و مالک اور تمام ضروریات کی تکمیل کرنے والا ہے، اسی کی ذات سے ہماری ساری امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، وہ نہایت ہی شفیق ہے، اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے، اس لیے بندوں کو بھی اپنے رب سے بہترین تعلقات استوار کرنا چاہیے اور اس سے اچھی امید رکھنا چاہیے نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے اچھی امید قائم کرنے کی تلقین فرمائی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے بندوں کے گمان کے مطابق ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے۔
(صحیح بخاری: ۷۴۰۵، ۷۵۰۵، صحیح مسلم : ۲۶۷۵)

گویا ہم اللہ تعالیٰ سے جس طرح کی امید وابستہ رکھیں گے اسی طرح سے وہ ہمارے ساتھ معاملہ کرے گا اگر ہم اس سے اچھی امید قائم کریں گے تو وہ ہمارے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے ایک مقام پر مسلمانوں کو اللہ سے حسن ظن قائم کرنے کی تلقین فرمائی، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی وفات سے تین روز قبل یہ فرماتے ہوئے سنا" **لایموتن أحدکم إلا هو يحسن الظن بالله عزوجل** "(صحیح مسلم :۲۸۷۷)

تم میں سے کسی شخص کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔

عیادت کرنے والا مریض کو اللہ سے اچھی امید قائم کرنے کی تلقین کرے اور اسے یہ بتایا جائے کہ تم اللہ سے جس طرح امید رکھوگے اللہ اسی طرح کا معاملہ تمہارے ساتھ کرے گا۔

غیر شرعی طریقۂ علاج سے منع کریں:

بسا اوقات کمزور عقیدہ کا حامل مسلمان اپنی یا اپنے اہل خانہ میں سے کسی کی کھوئی ہوئی صحت کو حاصل کرنے کے لیے بے شمار تدابیر اختیار کرنے کے ساتھ ممنوعہ اور حرام اشیاء سے علاج کا سہارا لیتا ہے، تعویذ اور گنڈوں کے ذریعہ سے اپنی عاقبت خراب کرتا ہے، ایسی صورت میں عیادت کرنے والا اگر مریض کی صحت اس لائق ہو تو اس کو اس کے انجام سے ڈرائے اور علاج کے لیے جائز تدابیر اختیار کرنے کی ترغیب دے، اگر اس کی حالت ابتر ہے تو اس کے اہل خانہ سے بات کی جائے اور انھیں سمجھایا جائے کہ وہ اللہ پر توکل وبھروسہ کریں اور حرام طریقۂ علاج سے محفوظ رہیں چونکہ یہ ایک شیطانی چال ہوتی ہے، جس کا شکار انسان اپنی اس پریشانی کے عالم میں ہوجاتا ہے۔

اپنی نگاہوں کو پست رکھیں:

عیادت کرنے والے شخص کو اپنی نگاہوں کو پست رکھنا چاہیے اور عیادت کے بہانے مریض کے گھر میں جھانکنے

یا مستورات پر نظریں ڈالنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، غض بصر کا حکم زندگی کے ہر لحہ میں ہے لیکن ہم کسی کے گھر میں داخل ہوں تو اپنی نگاہوں کو پست رکھنے کی حددرجہ کوشش کریں اور تاک جھانک سے مکمل طور سے گریز کریں:

یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اجنبی مرد وخواتین ایک دوسرے کی عیادت نہیں کر سکتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مرد کسی غیر محرم عورت اور ایک عورت کسی غیر محرم مرد کی زیارت کر سکتے ہیں، بشرطیکہ کسی طرح کے فتنے کا اندیشہ نہ ہو، پردے کا اہتمام ہو اور دونوں تنہا ملاقات کرنے والے نہ ہوں، امام المحد ثین محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ''باب عیادۃ النساء الرجل'' قائم کر کے اس کے تحت چند احادیث مثلاً امام الدرداء رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری صحابی کی عیادت کی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کی زیارت فرمائی وغیرہ، ذکر فرما کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ عورتوں کی عیادت مرد اور مرد کی عیادت عورت کر سکتی ہے۔

تکلیف دہ اشیاء سے اجتناب:

تمبا کونوشی یا کسی بھی بدبودار اشیاء کے استعمال سے مریض کو گزند نہیں پہنچانا چاہیے جب آدمی کسی کی عیادت کا ارادہ کرے تو اپنے منہ اور کپڑوں کو صاف کر لے تا کہ اس کی گندگیوں سے اٹھنے والی بدبو سے مریض کو تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے، اسی طرح گٹکھا، کھینی یا تمبا کو، سگریٹ کا استعمال کرنا ہر وقت حرام ہے لیکن مریض کے پاس بیٹھ کر قطعاً اس کا استعمال نہ کیا جائے کہ مبادا اس سے مریض کو ضرر یا تکلیف پہنچے اور حدیث پاک میں کسی کو بھی ضرر و تکلیف پہنچانے سے منع کیا گیا ہے فرمان رسول ہے ''لاضرر ولا ضرار فی الإسلام'' (صحیح سنن ابن ماجہ:۲۳۴۱) ''نہ پہلے پہل کسی کو نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا جائز ہے، نہ بدلے کے طور نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا۔''

کافر یا مشرک کو اسلام کی دعوت دینا:

عیادت کرنے والوں پر واجب ہے کہ وہ جب کسی کافر یا مشرک کی عیادت کریں جو کہ قطعاً معیوب نہیں اور اگر حالات وظروف اس بات کی اجازت دیں تو اسے اسلام کی دعوت دیں اور اس کی خصوصیات کو بیان کریں، عذاب جہنم سے ڈرائیں، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چچا کو موت سے پہلے بھی دعوت اسلام پیش کی تھی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا تھا اسی طرح وہ یہودی لڑکا جو نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جب وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت کی اور اسلام کی دعوت پیش فرمائی، تو اس نے اپنی نگاہ اپنے باپ کی طرف کی جو اس کے پاس موجود تھا تو اس نے کہا ابوالقاسم ﷺ کی اطاعت کر تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔

مذکورہ حدیث میں جہاں کافر کی عیادت کرنے کی تعلیم ہے وہیں اس کو دعوت اسلام پیش کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

گذشتہ سطور میں عیادت کے فضائل اور بعض آداب سنت کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں، آج کا معاشرہ تعلیم کتاب وسنت سے دور ہو چکا ہے، ضرورت ہے کہ کتاب وسنت کی سنہری تعلیمات کو معاشرے میں عام کیا جائے اور اپنے عمل وکردار کے ذریعے اسے ثابت کیا جائے تا کہ غیر مسلموں میں بھی اسلام کا اچھا تاثر جائے۔ اور اس مہاماری میں ایک دوسرے سے محبت کی جوت جگائی جائے اور مریضوں کا خیال رکھا جائے، ان سے اپنائیت کا مظاہرہ کیا جائے، انھیں اس بات کا احساس نہ ہونے دیا جائے کہ وہ کسی سنگین یا موذی مرض میں مبتلا ہیں۔

اللہ ہمیں سنت کے مطابق عیادت وتیمارداری کو انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین) ❁❁❁

مولانا جمشید عالم عبدالسلام سلفی
ناظم جمعیت اہل حدیث حلقہ شہرت گڈھ، سدھارتھ نگر

فواحش کے پھیلاؤ میں سوشل میڈیا اور ذرائع ابلاغ کا کردار (1)

آج ہم اکیسویں صدی عیسوی کی جدید ٹیکنالوجی کے دور میں جی رہے ہیں۔ زندگی کے مختلف شعبہ جات میں جدید ٹیکنالوجی نے ہمیں بہت سی سہولتیں اور آسانیاں فراہم کی ہیں۔ ابلاغ کے جدید ذرائع، انٹرنیٹ، سوشل نیٹ ورک اور اس سے متعلق بہت سی نئی نئی اختراعات اور وسائل بھی اسی جدید ٹیکنالوجی کی مرہونِ منت ہیں۔ انٹرنیٹ جیسے طاقت ور وسیلے کے ذریعہ دنیا کے تمام لوگوں کے افکار ونظریات کو جانا جا سکتا ہے اور اپنے افکار ونظریات کو بھی پھیلایا جا سکتا ہے، گھنٹوں کا کام منٹوں میں اور منٹوں کا کام سیکنڈوں میں سمٹایا جا سکتا ہے۔ اور آئے دن انسان ترقی کے نئے نئے منازل طے کر رہا ہے۔

انٹرنیٹ نے میڈیا اور ابلاغ کی ترسیل اور ذرائع کو بہت وسعت دے دی ہے۔ اخبارات اور ٹی وی چینلوں کے ساتھ ساتھ بہت سی ویب سائٹس اور سوشل نیٹ ورکس ہیں، جو دن و رات مختلف قسم کی چیزوں کو پھیلانے اور لوگوں کو اپنی گرفت میں لینے کا مؤثر اور مضبوط ذریعہ ہیں۔ موجودہ دور کے بیش تر افراد اس کے عادی ہو چکے ہیں اور ان کا بیش تر وقت اسی پر صرف ہوتا ہے، بلکہ بعض لوگ تو ہمیشہ اسی سے چپکے رہتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انٹرنیٹ کی دنیا، میڈیا اور ذرائع ابلاغ میں ہم مسلمانوں کی شمولیت ایک مؤثر کردار کی حیثیت سے بہت کم ہے، مگر جو کچھ ہے وہ قابلِ ستائش اور لائقِ تشہیر ہے۔ مؤثر میڈیا کا زیادہ تر حصہ یہودی وعیسائی لابی اور دیگر اعدائے اسلام کے قبضہ میں ہے، ہم فقط تماشائی ہیں۔ ہاں اِدھر کچھ دہائیوں سے انٹرنیٹ اور سوشل نیٹ ورک پر کچھ کام ہوا ہے، مگر دعوتی نقطۂ نظر سے ہمارے ملک ہندوستان میں منظّم ڈھنگ سے کام نہ کے برابر ہوا ہے، البتہ انفرادی طور پر لوگ کافی کام کر رہے ہیں اور انٹرنیٹ وسوشل میڈیا کے مثبت پہلو کو لے کر اسے ایک مؤثر اور طاقت ور ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

معاشرے کی بگاڑ میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا کردار

انٹرنیٹ کی دنیا میں اتنی وسعت ہے کہ یہاں اچھی اور بری تمام چیزیں موجود ہیں۔ فحش اور لادینی فاسد مواد کے ساتھ ساتھ بہت سی اچھی اور معلوماتی چیزیں بھی ہیں اور ان کو پھیلانے کے وسیع تر مواقع بھی ہیں۔ تو وہیں بگڑنے کے بھی کافی مواقع اور وسائل ہیں۔ وائی فائی اور 4 جی جیسی تیز ترین ٹیکنالوجی نے انٹرنیٹ سے استفادہ کو بہت آسان کر دیا ہے۔ چھوٹے بڑے، امیر غریب ہر ایک کے ہاتھ میں اسمارٹ فون موبائل ہے اور اس میں تیز رفتار نیٹ پیک بھی موجود ہے۔ بوڑھے، بچے، نوجوان، عورتیں سبھی کے ہاتھوں میں ہائی سپیڈ موبائل اور نیٹ موجود ہے۔ ہر کسی کی رسائی انٹرنیٹ کی حشر سامانیوں تک ہے۔ یوٹیوب، انسٹاگرام، ٹِک ٹاک، فیس بک، ٹوئٹر اور واٹس ایپ کی بے لگام دنیا نے انھیں اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔ گلی کوچوں، چوراہوں، چائے کی دکانوں،

بسوں اور ٹرینوں میں لوگ فل سپیڈ میں موبائل چلاتے اور انٹرنیٹ کا غلط استعمال کرتے نظر آ جائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ انٹرنیٹ اور ابلاغ کے جدید ذرائع کا مثبت پہلو لے کر جہاں دینِ اسلام کی نشر واشاعت کا فریضہ انجام دیا جا رہا ہے، وہیں مسموع، مقروء اور مرئی ذرائع ابلاغ کے فاسد مواد سے ذہن و دماغ کو بگاڑنے، عریانیت و بے حیائی کو عام کرنے، اور لادینی فضا قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے۔ اخبارات، رسائل و جرائد، ٹی وی چینل اور سوشل میڈیا فحاشی کے مواد سے بھرے پڑے ہیں، نیم عریاں تصاویر، بوس وکنار کے بے ہودہ مناظر اور عشق ومحبت پر مشتمل فحش کہانیاں اور ڈرامے بڑی بے باکی کے ساتھ نشر کیے جاتے ہیں اور ہر کوئی ان کے استعمال کے لیے آزاد ہے۔

سینما، ٹیلی ویژن، وی سی آر، انٹرنیٹ پر پھیلی ہوئی آڈیو ویڈیو کلپس، ڈش انٹینا، سیٹلائٹ چینلوں، کیبل نیٹ ورک اور مخرب اخلاق رسائل وجرائد وغیرہ کے عریاں اور حیا سوز مواد دورِ حاضر کے بڑے فتنے اور معاشرے میں فحاشی پھیلانے کے بڑے ذرائع ہیں۔ ان کی وساطت سے اخلاق وکردار کو مجروح اور داغ دار کرنے والی چیزیں بڑے زور وشور سے نشر کی جاتی ہیں، جن سے فسق وفجور، حرص وہوس، جنسی پیاس، زنا وہم جنس پرستی، جرائم اور منشیات کے استعمال کو بڑا فروغ ملتا ہے۔ نونہالوں کی اخلاقی خرابی میں اضافہ اور دین وایمان میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ سنِ بلوغ کو پہنچنے والے اناڑی بچے، بچیاں اور نوجوان نسل ان میں پیش کیے جانے والے بے ہنگم پروگراموں سے متاثر ہو کر شہوانی جذبات کی تکمیل غیر فطری راستوں سے کرنے لگتے ہیں، جس سے معاشرے میں بہت سی واضح اور پوشیدہ جنسی امراض پھیلتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایسی فضول کہانیاں، ڈرامے، فلمیں، گیت اور غزلیں پیش کی جاتی ہیں، جس سے دلوں میں کجی و روگ پیدا ہوتا ہے نیز موسیقی، مخلوط ڈانس، بوس وکنار اور لچر وسطحی حرکات وسکنات کے ایسے بے حیا مناظر ہوتے ہیں، جنھیں دیکھ کر بچے وقت سے قبل ہی درجۂ بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ ضمیر فروش لوگ جنسی بے راہ روی کو بڑھاوا دینے کی خاطر تفریح کے طور پر اسے فن اور آرٹ اور بہت سے خوش نما نام دے کر بطور کاروبار زندہ کیے ہوئے ہیں، عورتوں کی مظلومی وکمزوری اور مجبوری وسادگی کا بے جا فائدہ اٹھا کر پردۂ سیمیں پر دوشیزاؤں کے ایسے واہیات مناظر پیش کیے جاتے ہیں کہ جس سے تہذیب سر پیٹتی ہے۔ زن وشو کے مخفی تعلقات اور بیڈ روم کی خفیہ باتیں عملی طور پر پیش کیے جاتے ہیں نیز ایسے واہیات مناظر فلمائے جاتے ہیں، جن میں عورت کی ران، پنڈلی، گردن، پیٹ، بانہیں، کمر، چہرہ، پیٹھ کا بالائی حصہ اور جسم کے نشیب وفراز نمایاں رہتے ہیں اور کبھی تو ان کے پورے جسم پر کپڑا برائے نام ہوتا ہے۔

انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور ٹی وی چینلوں پر پیش کیے جانے والے یہ سارے فحش مناظر انفرادی خرابی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی میں بھی بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور کم سن بچوں میں ابتدا ہی سے اخلاقی گراوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک کم عمر بچہ جب ان واہیات مناظر کو دیکھتا ہے تو انھیں عملی صورت میں بھی کر گزرنے کی کوشش کرتا ہے اور بہ تدریج رفتہ بہ رفتہ یہ باتیں اس کے صاف شفاف ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہیں، وہ اسے خوب مزے سے دیکھتا اور عملی جامہ پہناتا ہے، بلکہ اسے زندگی کا لازمی عنصر تصور کرنے لگتا ہے۔ اباحیت پسند گندا ماحول اور اچھی تربیت کے فقدان کی وجہ سے آج یہ کثافت

ثقافت سمجھی جاتی ہے، یہ برائیاں تہذیب کا حصہ تصور کی جاتی ہیں اور تفریحِ طبع کی خاطر انھیں درست اور مباح خیال کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ ان کے ذریعہ فحاشیت وعریانیت، الحاد و لادینیت اور کفر ونفاق کو فروغ ملتا ہے۔

اس وقت بچوں کے لیے کارٹون اور بہت سے شارٹ فلم یوٹیوب وغیرہ پر بڑی وافر مقدار میں اپ لوڈ کی جا رہی ہیں، جس کے بیش تر مناظر اور مواد اسلامی تعلیمات کے منافی ہوتے ہیں۔ دیوی دیوتاؤں کی بالادستی کی کہانی ہوتی ہے۔ جادو، طلسمات اور مافوق الفطرت باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ اخلاق وکردار کو بگاڑنے والے حیا باختہ مناظر دکھائے جاتے ہیں، جس کا منفی اثر بچوں پر پڑتا ہے۔ وہ بھی اس کی نقالی کرتے ہیں اور ابتدا ہی سے ان کا دین واخلاق خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ ان میں موجود معمولی فوائد کو بھاری بھرکم الفاظ وتعبیرات کے ذریعہ اجاگر ونمایاں کر کے بزعمِ خود انھیں بہتر اور درست ٹھہرا کر دلی تسلی وتسکین حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی دھوکا دیتے ہیں، جب کہ ان کی وجہ سے بیش تر مسلم بچے اور نوجوان ذکر واذکار اور تلاوتِ قرآن کریم سے دور ہو کر دیوی دیوتاؤں اور عشقیہ قسم کے فحش گانوں اور لچر گفتگو میں مصروف رہتے ہیں۔

حرمتِ خمر کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ اہم اصول بیان کر دیا ہے کہ ہر بری چیز میں بظاہر کچھ فوائد تو ہوتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ جس کسی چیز میں معمولی سا فائدہ نظر آ جائے تو اس کی وجہ سے وہ جائز قرار پا جائے گی، بلکہ اس کے فوائد اور نقصانات کا جائزہ لیا جائے گا کہ کس کا تناسب کم ہے اور کس کا زیادہ؟ اگر فائدے کا پہلو کم اور نقصان کا پہلو زیادہ ہو تو وہ درست نہیں قرار پائے گی۔ اور یہاں ان واہیات چیزوں کے اندر وافر مقدار میں دین وایمان اور اخلاق وذہن کو بگاڑنے کا مواد پایا جاتا ہے پھر یہ کیسے جائز قرار پائیں گی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نبوی فرمان ہے:

”یَکُونَنَّ مِنْ أُمَّتِی أَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِیرَ، وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ، وَلَیَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَی جَنْبِ عَلَمٍ یَرُوحُ عَلَیْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ، یَأْتِیهِمْ – یَعْنِی الْفَقِیرَ – لِحَاجَةٍ، فَیَقُولُوا: ارْجِعْ إِلَیْنَا غَدًا، فَیُبَیِّتُهُمُ اللَّهُ، وَیَضَعُ الْعَلَمَ، وَیَمْسَخُ آخَرِینَ قِرَدَةً وَخَنَازِیرَ إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ“

ترجمہ: ”میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے، جو شرم گاہ (زنا) اور ریشم اور شراب اور باجوں کو حلال کر لیں گے اور کئی لوگ ایک پہاڑ کے پہلو میں اتریں گے، ان کے چرواہے شام کو ان کے چرنے والے مویشی لایا کریں گے، ان کے پاس فقیر اپنی حاجت کے لیے آئے گا، وہ کہیں گے: ہمارے پاس کل آنا۔ تو رات ہی کو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب بھیجے گا اور وہ پہاڑ ان پر گرا دے گا اور کئی دوسروں کی شکلوں کو قیامت تک کے لیے بندروں اور خنزیروں کی شکل میں بدل دے گا۔“ (صحیح بخاری: ۵۵۹۰)

اور سنن ابن ماجہ (۴۲۰) میں سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِی الْخَمْرَ یُسَمُّونَهَا بِغَیْرِ اسْمِهَا، یُعْزَفُ عَلَی رُءُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّیَاتِ، یَخْسِفُ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ، وَیَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیرَ“**

ترجمہ: ”میری امت کے کچھ لوگ شراب پییں گے، اس کے اصل نام کے بجائے اس کا کوئی اور نام رکھ لیں گے، ان

کے سروں پر باجے بجائے جائیں گےاورگانے والیاں گائیں گی۔ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اوران میں سے بعض کو بندراور خنزیر بنا دے گا۔'' (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۹۰)

آج ہمارے معاشرے میں یہ ساری برائیاں بہ کثرت پائی جارہی ہیں، ذرائع ابلاغ کے جدید آلات نے گھر گھر میں ان برائیوں کو عام کر دیا ہے۔ رقص وسرود کی محفلیں اور گانا بجانا کوئی معیوب بات نہیں رہی، زنا عام ہو چکی ہے، زنا تک پہنچانے والے ذرائع بے محابا عروج پر ہیں، آزادی کے نام پر بہت ساری حرام چیزیں انسانوں کا بنیادی حق قرار پا چکی ہیں۔حرام کاموں کا نام بدل کر یا ان پر خوش نما لیبل لگا کر درست مانا جارہا ہے۔ اور ان ساری چیزوں کو ذرائع ابلاغ کے مضبوط ہتھکنڈوں کو استعمال میں لاکر عوام وخواص میں خوب خوب پھیلایا جارہا ہے۔ جس کی پاداش میں لوگ آئے دن مختلف طرح کی مصیبتوں، پریشانیوں، بیماریوں، طوفانوں اور زلزلوں کا شکار ہورہے ہیں۔ پھر بھی کم ہی لوگوں کی آنکھیں کھل رہی ہیں۔

لہوالحدیث کی بہتات

زمانۂ نبوی میں نضر بن حارث نامی ایک شخص لوگوں کو آیاتِ الٰہی سے دور رکھنے اور دینی باتوں کے سننے سے باز رکھنے اور دینِ الٰہی سے برگشتہ کرنے کے لیے من گھڑت قصے اور کہانیاں سنایا کرتا تھا اور اپنی لونڈیوں کے ذریعہ رقص وسرود کی محفلیں گرم کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس طرح کے بدبخت لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے انھیں سخت رسوا کن عذاب کی دھمکی دی اور فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾

ترجمہ: ''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو غافل کرنے والی بات مول لیتا ہے تاکہ جانے بغیر لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کردے اور اسے مذاق بنائے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔'' (لقمان:٦)

''لَهْو'' ہراس بات یا کام کو کہتے ہیں جس سے کوئی ذہنی اور جسمانی فائدہ حاصل نہ ہو، بلکہ وہ انسان کو اس کے مقصد کی چیز سے غافل کردے اور اس کے اہم کاموں سے توجہ ہٹادے۔ اور ہر وہ چیز جس سے لذت اور فائدہ حاصل ہو اسے بھی لہو کہہ دیا جاتا ہے۔

لہو الحدیث سے مراد وہ تمام بے ہودہ اور فضول باتیں ہیں، جو انسان کو اللہ کی راہ سے غافل کردیں۔ خواہ یہ غافل کرنے والی بات گانا اور موسیقی ہو، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس سے مراد گانا لیا ہے، یا دیگر فحش باتوں پر مشتمل جھوٹی کہانیاں، فلمیں، ڈرامے اور فحش ناول وغیرہ ہوں، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اس سے مراد گانا، اس کا سننا اور اسی جیسی چیزیں لی ہیں۔ اس کے وسیع مفہوم میں گانا، بجانا، فحش ناول، ڈرامے، افسانے اور تمام طرح کی فحاشی شامل ہے، خواہ وہ تحریری شکل میں ہو یا ویڈیو اور آواز کی صورت میں ہو۔ جیسا کہ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے لہو الحدیث سے متعلق مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ''لَهْوَ الْحَدِيثِ'' کو عام رکھنا ہی درست ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی ہے۔ لہٰذا اس سے مراد ہر وہ بات ہے جو اللہ کی راہ سے غافل کرنے والی ہو کہ جس کے سننے سے اللہ نے یا اس کے رسول نے روک دیا ہے۔ (جامع البیان: ۱۸/ ۵۳۹) اور حسن

بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ: اس سے مراد ہر وہ چیز ہے، جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل کر دے۔(روح المعانی للآلوسی: ۶۶/۸) حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ لہو الحدیث کی تفسیر میں شیخ عبد الرحمان السعدی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”لَهْوَ الْحَدِيثِ“ ان باتوں کو کہتے ہیں جو دلوں کو غافل کر دینے والی اور عظیم مقصد سے روک دینے والی ہوتی ہیں۔ چناں چہ اس میں ہر حرام کلام، ہر باطل اور ایسے اقوال پر مشتمل ہر ہذیان داخل ہے، جو کفر، فسق اور معصیت کی رغبت پیدا کرے، وہ اقوال حق کو رد کرنے والے لوگوں کے ہوں، جو باطل کے ساتھ بحث کر کے حق کو زیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، غیبت، چغلی، جھوٹ اور گالی گلوچ کی صورت میں ہوں یا گانے، بجانے، شیطان کے باجوں اور غافل کر دینے والی داستانوں اور افسانوں کی صورت میں ہوں، جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہو نہ آخرت میں۔ تو لوگوں کی یہ قسم وہ ہے، جو ہدایت والی بات چھوڑ کر ”لَهْو“ والی بات خریدتی ہے۔“

(تفسیر القرآن الکریم ۵۱۴/۳، ۵۱۵)

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لہو الحدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”لہو الحدیث سے مراد گانا بجانا، اس کا ساز و سامان اور آلات، ساز و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس میں قصے کہانیاں، افسانے، ڈرامے، اور جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر، رسالے اور بے حیائی کے پرچارک اخبارات سب ہی آجاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی۔ عہدِ رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجانے والی لونڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے سنا کر بہلاتی رہیں تا کہ قرآن و اسلام سے وہ دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آجاتی ہیں، جو آج کل فن کار، فلمی ستارہ اور ثقافتی سفیر اور پتہ نہیں کیسے کیسے مہذب، خوش نما اور دل فریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔“

(تفسیر أحسن البیان: ۱۱۴۱)

آج ہمارے معاشرے میں بہت سے متصوفانہ مزاج رکھنے والے مُتدَیّن لوگ بھی حرام عرس و سماع کی محفلیں سجاتے ہیں، جہاں حرام آلاتِ لہو ولعب کے ذریعہ شیطانی عمل رقص و سرود اور گانے بجانے کا دور چلتا ہے، مراہق قسم کی بچیاں اور اَمرد بچے ناچتے گاتے ہیں، مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط ہوتا ہے، آپس میں ایک دوسرے پر فحش قسم کے جملے پھینکے جاتے ہیں، قابلِ نفریں ہنسی و مذاق ہوتا ہے، قوالیاں سنی سنائی جاتی ہیں، نشہ گانجا بھنگ کا دور چلتا ہے اور پھر اولیاء الشیاطین کو حال آتا ہے، افسوس صد افسوس! ان بے ہودہ، واہیات اور فواحش کو دین کا کام سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ ان کے حرام ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے صاحبزادے مولوی مصطفیٰ رضا قادری کی تصدیق شدہ، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی (۱۳۴۳ھ) سے مطبوع، محمد عرفان علی رضوی کی تصنیف ”عرفان ہدایت“ میں ہے کہ:

”حیف صد حیف کہ اس زمانہ میں اعراس یعنی عرسوں کا میلہ بنا لیا گیا ہے۔ رنڈیوں کا ناچ ہوتا ہے۔ ڈھولکی، طبلہ کھڑکتا ہے۔ ہارمونیم بجتا ہے۔ اور طرہ یہ کہ ان افعال کو جائز بلکہ قرب الی اللہ کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ منع کرنے والوں پر لعن طعن کی جاتی ہے۔ عوام تو عوام اچھے خاصے پڑھے لکھے بلکہ سجادگان درگاہ ان بلاؤں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ سماع مع مزامیر کے سننے سے انھیں پرہیز

نہیں ہوتا، بلکہ شوق ہوتا ہے۔حالاں کہ مزامیر حرام قطعی ہیں۔''

(بحوالہ قبولیت عمل کے شرائط،ص:۳۳۶)

گانا بجانا اور موسیقی

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ گانا بجانا، رقص و سرود اور موسیقی اسلامی شریعت میں ممنوع اور حرام ہیں۔ائمہ کرام نے بالاتفاق اسے حرام قرار دیا ہے۔موجودہ دور میں یہ ایک فن اور آرٹ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، انٹرنیٹ اور موبائل فون نے گھر گھر میں اس خبیث وبا کو پہنچا دیا ہے، بلکہ ٹِک ٹاک اور دیگر سوشل نیٹ ورک وغیرہ پر اچھے خاصے مسلم نوجوان اور دوشیزائیں ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا حصہ بن رہی ہیں۔ان کے اندر گلوکار، موسیقار، سٹار اور اداکار بننے کا جنون سوار ہے اور اُنہی فلمی اداکاروں و اداکاراؤں کی نقالی میں مسلم نوجوان، بچے اور بچیاں عریاں و چست لباس، بالوں کی تراش خراش، گفتگو اور ڈائیلاگ، چلنے پھرنے کے انداز وغیرہ کو بڑے شوق سے اپنا رہے ہیں۔اور ثقافتی کلچر کے نام پر معاشرے میں بھی ان واہیات کی خوب پذیرائی ہو رہی ہے۔

موجودہ دور میں چند ایسے دینی اسکالرز بھی وجود میں آچکے ہیں، جو منہجِ فہم سلف سے ہٹ کر ہمہ وقت شرعی احکام و مسائل کو عصرِ حاضر کے مطابق ڈھالنے کے لیے بے جا طور پر کوشاں رہتے ہیں اور اپنے اسی نظریہ کی وجہ سے بہت سارے دینی مسائل میں نرمی کا گوشہ رکھتے ہیں اور اپنی روشن خیالی کے چلتے بسا اوقات بعض دینی شعائر و مسلمات کا انکار بھی کر جاتے ہیں۔اس حلقے کی جانب سے موسیقی کے متعلق بھی اسی طرح کا شوشہ چھوڑا گیا ہے اور چند بے بنیاد شبہات کا سہارا لے کر من مانی طور پر غنا اور موسیقی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔اس نظریے نے مسلم معاشرے کے اندر موسیقی کے پھیلاؤ میں خاصا اہم کردار ادا کیا ہے۔

حمد و نعت اور اصلاحی قسم کی نظموں کو سریلی آواز میں پڑھنا ایک الگ چیز ہے، اسے موسیقی اور غنا کا نام دینا اور اس پر قیاس کر کے موسیقی کو جائز قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔جب کہ کتاب و سنت میں موسیقی اور اس کے آلات کی حرمت پر صریح دلیلیں موجود ہیں، اور لہو الحدیث کی عمومیت میں یہ داخل ہے، بلکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا مصداق غنا ہی کو قرار دیا ہے۔

اسی طرح شادی وغیرہ کے موقعے پر چھوٹی بچیوں یا لونڈیوں کا اخلاقی دائرے میں رہ کر اشعار پڑھنے اور دُف بجانے کا جواز بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ موسیقی اور آلاتِ موسیقی بھی جائز ہے، دونوں دو الگ الگ چیزیں ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ شریعتِ مطہرہ میں آلاتِ موسیقی کے ساتھ بچیوں کا اشعار پڑھنا بھی ثابت نہیں ہے، صرف شادی کے موقع پر لونڈی اور چھوٹی بچیوں کے دف بجانے کا ثبوت ملتا ہے اور وہ دف چلنی کے مانند ہوا کرتا تھا، جو صرف ایک طرف سے وہ بھی ہاتھ کے ذریعہ بجائی جاتی تھی۔ان چھوٹی بچیوں کا موازنہ دورِ جدید کی پیشہ ور مغنیات اور گلوکاراؤں سے کرنا قطعی ناانصافی، ظلم اور حرمت کے دلائل ہوتے ہوئے قیاس مع الفارق ہے۔

گانا بجانا اور موسیقی شیطانی افعال ہیں، اس سے دلوں میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور روح پژمردہ ہوتی ہے، یہ دین سے دوری اور بے حیائی کا سبب بنتی ہے، اس سے شہوانی خواہشات بھڑکتے ہیں اور حیوانی جبلت کو جلا ملتی ہے، اس میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہو کر لایعنی چیزوں میں اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرتا

ہے، یہ وہ ہتھیار ہے، جس کے ذریعہ شیطان اچھے بھلے بندوں کو بے غیرت اور دیوث بنا کر گمراہ کر دیتا ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کریں: ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾

ترجمہ: ''اور ان میں سے جس کو تو اپنی آواز کے ساتھ بہکا سکے بہکا لے اور اپنے سوار اور اپنے پیادے ان پر چڑھا کر لے آ اور اموال اور اولاد میں ان کا حصہ دار بن اور انھیں وعدے دے اور شیطان دھوکا دینے کے سوا انھیں کوئی وعدہ نہیں دیتا۔'' (الإسراء: ٦٤)

یہاں اس آیتِ کریمہ میں ''بِصَوْتِكَ''، یعنی شیطان کی آواز سے مراد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق: ''كلّ داع دعا إلى معصية الله'' (ہر پکارنے والا جو اللہ کی معصیت کی طرف بلائے، ہے۔ چناں چہ ہر وہ آواز جو اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے، اس کا مصداق ہے اور اس میں گانا بجانا، موسیقی، گالی گلوچ، بدکاری اور ہر برے کام کی دعوت اور ہر وہ پکار جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہو شامل ہے۔ اور مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس سے مراد لہو اور غنا لیا ہے۔)

ایک طرف موسیقی کے جواز کا فتویٰ ہے اور دوسری طرف شرعی دلائل اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ ہمارے اس ترقی یافتہ دور کے موسیقی اور آلاتِ موسیقی کی بات چھوڑیے عہد نبوی وصحابہ میں جو موسیقی رائج تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا اور ہمارے سلف نے نبوی ممانعت کی وجہ سے اسے سننا بھی گوارا نہیں کیا۔

مشہور ثقہ تابعی جناب نافع رحمہ اللہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کہتے ہیں:

''سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ مِزْمَارًا، قَالَ: فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلَى أُذُنَيْهِ، وَنَأَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَقَالَ لِي: يَا نَافِعُ! هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا؟ قَالَ: فَقُلْتُ: لَا، قَالَ: فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ، وَقَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعَ مِثْلَ هَذَا، فَصَنَعَ مِثْلَ هَذَا''

ترجمہ: ''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بانسری کی آواز سنی تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں پر رکھ لیں اور راستے سے دور چلے گئے۔ اور مجھ سے پوچھا: اے نافع! کیا تم کچھ سن رہے ہو؟ تو میں نے کہا: نہیں۔ نافع کہتے ہیں: انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے اٹھا لیں اور کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے اسی طرح کی آواز سنی تو آپ نے ایسے ہی کیا تھا۔'' (سنن ابی داؤد: ۴۹۲۴)

یہ حدیث صریح طور پر بانسری کی حرمت اور اس کی ناپسندیدگی پر دلالت کرتی ہے، جو موسیقی کا ایک لازمی جزو ہوتی ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے، مگر ان کا اس حدیث کو منکر قرار دینا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ انھوں نے اس کے منکر ہونے کی کوئی دلیل نہیں ذکر کی ہے، جیسا کہ سنن ابوداؤد کے شارح علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ نے امام ابو داود رحمہ اللہ کے قول کی نفی کرتے ہوئے اس حدیث کی سند کو جید قوی قرار دیا ہے، شیخ شعیب ارناؤوط اور حافظ زبیر علی زئی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو حسن اور شیخ احمد شاکر اور علامہ البانی رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ غرض کہ مذکورہ بالا حدیث قابلِ استدلال اور لائقِ حجت ہے۔

درحقیقت ہم نبوی فرمان کے مطابق اس پُرفتن دور

سے گزر رہے ہیں کہ جس میں زنا، شراب، ریشم، سود اور گانے بجانے و آلاتِ موسیقی کو مختلف حیلہ و بہانہ کے ساتھ، ان کا کچھ اور نام دے کر حلال اور درست قرار دیا جارہا ہے، جیسا کہ اوپر دورِ فتن کے سلسلے میں صحیح بخاری اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے حدیثِ نبوی ہم ذکر کرآئے ہیں۔ ایسی صورت میں گانے بجانے اور موسیقی کے رسیا لوگوں کو درج ذیل نبوی وعید پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کہیں وہ آندھی وطوفان اور زلزلوں کے ذریعہ زمین میں نہ دھنسا دیے جائیں یا ان پر پتھروں کی بارش نہ کر دی جائے یا ان کی صورت ہی مسخ نہ کر دی جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نازل ہونے کا ایک سبب آلاتِ موسیقی کا عام ہونا بھی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ“ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَتَى ذَاكَ؟ قَالَ: ”إِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ“، ”اس امت میں خسف، مسخ اور قذف واقع ہوگا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے بجانے والیاں اور آلاتِ موسیقی عام ہوجائے گی اور شراب پی جائے گی۔“ (جامع ترمذی: ۲۲۱۲، سلسلة الصحيحة: ۲۲۰۳)

معلوم ہوا کہ آلاتِ موسیقی حرام ہے، کیوں کہ اگر یہ حلال ہوتا تو اس کا عام ہونا نزولِ عذاب کا سبب نہیں بنتا۔ لہٰذا جو کام اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب کے اترنے کا سبب بنے ہمیں اس کے قریب جانے سے بچنا چاہیے۔

جنسیات پر مشتمل فحش لٹریچر

ادب، آرٹ، سیکس ایجوکیشن، ترقی پسند ادب اور فنون لطیفہ کے نام پر کتابی شکل میں بہت سارے فحش اور خام مواد بک اسٹالوں پر دستیاب ہیں ہی، مگر جدید ٹیکنالوجی کے دور میں انٹرنیٹ پر بھی ایسی فحش اور عریاں تحریریں کافی مقدار میں موجود ہیں، جو کہ حقیقت میں فحاشیت کا نمونہ اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دینے کا ذریعہ ہیں۔ ایسی تحریریں بدکاری پر ابھارنے والی ہوتی ہیں، لڑکیوں اور لڑکوں میں مَن پسند شادی کو پروان چڑھانے اور عشق و محبت کے نام پر بغاوت کا عنصر پیدا کرتی ہیں، نام نہاد آزادی کے نام پر دین و مذہب سے بےزار کرنے والی ہوتی ہیں اور اخلاق و کردار پر منفی اثر ڈالتی ہیں۔ سیکس ایجوکیشن کے نام پر بدکاری اور غیر فطری جنسی تکمیل پر ابھارتی ہیں، جنسی ہیجان اور تحریک پیدا کرتی ہیں اور ذہن و دماغ کو مختل کرتی ہیں۔ ایسی فحش اور عریاں تحریروں کا شمار بھی لہوالحدیث میں ہوتا ہے، لہٰذا ان سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے۔

ساتھ ہی بچوں کی جنسی تربیت پر بھی دھیان دیا جانا چاہیے، بڑھتی عمر کے ساتھ مرحلہ وار ان کی مناسب تربیت کی جائے، کوشش یہ ہونی چاہیے کہ بچپن ہی سے ان کے لیے الگ بستروں کا انتظام کیا جائے، ستر و حجاب کے احکام بتلائے جائیں، ابتدائے عمر ہی سے ان کے اندر حیا اور عفت و پاک دامنی کی صفت پیدا کی جائے، بدنظری کے نقصانات، شرم گاہوں کی حفاظت، اور پردے کی اہمیت سے اُنھیں آگاہ کیا جائے۔ چھوٹے بڑے کا احترام اُن کے دل میں جاگزیں کیا جائے، بچوں اور بچیوں کے لباس میں تفریق کی جائے، بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر بچوں کو بلوغت کے احکام بتائے جائیں اور بطور خاص مائیں اپنی بچیوں کو حیض ونفاس کے مسائل بتائیں، قریب البلوغ بچیوں کو پردہ کرنے کی ترغیب دلائیں اور دونوں صنفوں کو یہ

باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ ہر ایک کے خاص مسائل ہیں اوران کو اسی اعتبار سے رہنا ہے، وضو اور غسل کے احکام بتائے جائیں، جن چیزوں سے غسل واجب ہوتی ہے اور جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے اسے بتایا جائے، دوستی کے تعلق سے ان پر نگاہ رکھی جائے کہ کہیں وہ غلط لوگوں کی صحبت نہ اختیار کرلیں، اسی طرح بلوغت کی عمر میں پہنچنے والے بچوں کو بتایا جائے کہ ان کے لیے لڑکیوں سے دوستی کرنا، اُن کے ساتھ ہنسی مذاق کی باتیں کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے اور نہ ہی بغیر نکاح کے کسی غیر سے مجامعت کرنا درست ہے۔ ہاں جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے شریعت نے نکاح کا پاکیزہ راستہ متعین کیا ہے۔ اور بچیوں کو بھی تاکید کی جائے کہ ان کے لیے لڑکوں سے دوستی کرنا، غیر محرم مردوں کے سامنے نسوانی حسن ظاہر کرنا اوران سے کسی شدید ضرورت کے بغیر موبائل پر گفتگو کرنا قطعی زیب نہیں دیتا، ہر ایک کی دوستی ان کی اپنی ہی صنفوں کے ساتھ ہو۔ شادی کی عمر کو پہنچنے والے بچوں اور بچیوں کو مناسب ڈھنگ سے جنسیات سے متعلق دینی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔

علاوہ ازیں بچوں پر حد سے زیادہ اعتماد نہ کیا جائے کہ ہمارا بچہ تو ابھی بہت نادان اور بھولا ہے وہ اخلاقی برائیوں کا شکار کیسے ہوسکتا ہے؟ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب ان سے ان کے بچوں سے متعلق کوئی شکایت کی جاتی ہے یا ان کی اخلاقی گراوٹ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے تو وہ اس پر غور وفکر کرنے کے بجائے اپنے بچے کو کم عمر، نادان اور بھولا کہہ کر تجاہلِ عارفانہ برتتے ہوئے ٹال جاتے ہیں اور نتیجتاً جب کوئی بڑا حادثہ پیش آتا ہے تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور ایسا اکثر بچوں پر حد سے زیادہ اعتماد کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

بچوں کی جنسی تربیت کے سلسلے میں علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تصنیف (**آداب الزفاف فی السنة المطهرة**) بڑی عمدہ کتاب ہے۔ فی الحال اس کا اردو ترجمہ (سنتِ مطہرہ اور آدابِ مباشرت) کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اس کو انھیں مطالعہ کے لیے دیا جائے وغیرہ۔

موجودہ دور میں مغربی تہذیب کا اثر ہر معاشرے میں عام ہو رہا ہے، بہت سارے آزاد خیال لوگ لڑکے اور لڑکیوں کی آپسی دوستی اور تعلقات کو قطعاً معیوب نہیں سمجھتے، بلکہ الٹا اسے فخر تصور کرتے ہیں، شادی سے پہلے منگیتر سے موبائل کے ذریعے گفتگو کرنے کا چلن بھی عام ہو چکا ہے اور بہتیرے والدین اسے برا بھی تصور نہیں کرتے ہیں، حالاں کہ وہی رشتہ جب شادی کے بندھن میں بندھنے سے قبل ہی ٹوٹ جاتا ہے تو بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح بچوں اور بچیوں کو بلوغت کی عمر تک پہنچنے کے بعد جتنا جلدی ممکن ہو سکے ان کی شادی کا بندوبست کیا جائے، بلوغت کے بعد بلاوجہ شادی میں تاخیر نہ کی جائے ورنہ معاشرے میں بے حیائی اور زنا کاری عام ہوگی، لڑکے اور لڑکیاں بے حیائی کا عام مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مرضی سے شادی کریں گے، گھریلو اور سماجی دباؤ کی صورت میں کورٹ میرج کریں گے، لڑکیاں اہلِ خانہ سے بغاوت کرکے گھروں سے فرار ہوں گی، عزتیں لُٹیں گی، نسلیں برباد ہوں گی، اسقاطِ حمل کی شرح میں اضافہ ہوگا اور زنا بالجبر کے واقعات میں روز افزوں ترقی ہوگی۔ جس سے سماج و معاشرے اور سوسائٹی کا اخلاقی نظام بگڑے گا اور خاندان وقبائل کے درمیان رسہ کشی عام ہوگی اور آپسی خانہ جنگی جیسا ماحول ہوگا۔

مذکورہ بالا سارے جتن اس لیے بھی ضروری ہیں

تا کہ نوجوان نسل کو سیکس ایجوکیشن پر مشتمل حیا سوز فحش لٹریچر اور فحش ویڈیوز کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ لہٰذا اگر ہم بچوں کو ان کی بڑھتی عمر کے ساتھ مناسب جنسی تربیت نہیں کریں گے تو لامحالہ وہ غلط راستوں کا انتخاب کریں گے اور بے راہ روی کا شکار ہوں گے۔

فحش ویڈیوز کا بڑھتا ہوا سیلاب

مختلف سوشل ویب سائٹس کی وجہ سے بہت سی ایسی ویڈیوز تک نوجوانوں کی پہنچ آسان ہوگئی ہے، جس سے جنسی بے راہ روی کو کافی بڑھاوا ملا ہے۔ انٹرنیٹ پر موجود مختلف سروے سے ماخوذ معلومات کے مطابق پورنوگرافی پر مشتمل ان ویب سائٹس کے ناظرین کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ بیش تر نوجوان جنسی جذبات کی تسکین کے لیے ان فحش ویب سائٹس کا رخ کرتے ہیں اور اس وبائے ہولناک کا شکار ہو کر اپنا اخلاق و کردار بگاڑ رہے ہیں اور ان کے ذریعہ غیر فطری ڈھنگ سے اپنے جنسی خواہشات کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بچوں کی پہنچ بھی اب ان ویب سائٹس تک بآسانی ہو جاتی ہے، جس سے ان میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اور قبل از وقت وہ بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھ رہے ہیں اور خود وہ بھی آئے دن جنسی استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔ معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور ریپ کا بڑھتا ہوا رجحان، مرد و زن کے بے باکانہ اختلاط اور جنسی آزادی کے ساتھ ساتھ جنسیات کی انھیں آزاد ویب سائٹس کا بدنما ثمرہ ہے۔ بلکہ انسانیت سے گری ہوئی قحبہ گری کا پیشہ بھی مختلف ویب سائٹس کے ذریعہ آن لائن چلایا جاتا ہے، جو جنسی انحراف کے لیے ایک وسیع میدان ہموار کرتا ہے۔

۲۰۱۳ء میں شائع شدہ بی بی سی اردو کی ایک رپورٹ کے مطابق مختلف ویب سائٹوں پر پورن یا فحش مواد اب اتنا عام ہو چکا ہے کہ ایک سروے کے مطابق زیادہ تر بچے گیارہ سال کی عمر تک اس سے کسی نہ کسی صورت میں متعارف ہو چکے ہوتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ہونے والی سرچ یا تلاش میں سے پچیس فیصد مواد پورن سے متعلق ہوتے ہیں اور ہر سیکنڈ میں کم سے کم تیس ہزار لوگ اس طرح کی سائٹ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

۲۰۱۵ء کی گوگل رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک ہندوستان میں روزانہ چھ کروڑ لوگ فحش مواد پر مشتمل ویب سائٹس کا وزٹ کرتے ہیں، جب کہ عام صارفین سے فحش مواد کا آپسی تبادلہ کرنے اور گوگل وغیرہ پر اشتہاری فحش تصاویر کے دیکھنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ اِدھر کئی سالوں سے موبائل، ٹیبلٹ اور اسمارٹ فون وغیرہ کی کثرت اور ڈاٹا پیک کی قیمتوں میں گراوٹ اور انٹرنیٹ کی رفتار میں بڑھوتری کی وجہ سے یہ وبا بہت عام ہوگئی ہے اور لوگوں کی پہنچ فحش مواد تک انتہائی آسان ہو چکی ہے۔

اس وقت ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۸۰٪ فیصد اسمارٹ فون کے ناظرین پورن گرافی پر مشتمل فحش ویب سائٹس کا وزٹ کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ تقریباً زیادہ تر مفید اور معلوماتی ویب سائٹس پر فحش ویڈیوز پر مشتمل ویب سائٹس کا لنک اور ان کے اشتہار گردش کرتے رہتے ہیں، بالخصوص یوٹیوب وغیرہ پر بہ کثرت ان کا اشتہار آتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے نوجوان نسل کیا ہر عمر کے زیادہ تر وزیٹرس ان کے دامِ فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں پورن ویڈیوز کی فلم بندی اور تشہیر صرف تفریحِ طبع کے طور پر نہیں کی جاتی ہے، بلکہ یہ جدید دنیا کا ایک بڑا اور نامی کاروبار ہے۔ اس وقت مختلف سروے کے

مطابق انٹرنیٹ کی دنیا میں تقریباً سب سے زیادہ کمائی پورن انڈسٹری کے ذریعہ کی جاتی ہے اور دنیا میں اس کے وزیٹر بھی سب سے زیادہ ہیں۔

تحقیقات کے مطابق اگر چہ باقاعدہ پہلی پورن فلم ۱۹۸۱ء میں ریلیز ہوئی تھی، جس کا دورانیہ سولہ منٹ تھا اور یہ کافی منافع بخش بھی رہی تھی، مگر پورنوگرافی کی تاریخ کافی قدیم ہے، معاشرے کی اخلاقی قدروں کو گرانے اور فری سیکس کے رجحان کو عام کرنے کے لیے اس کا استعمال مختلف طرح سے کیا جاتا رہا ہے، کہیں فن اور آرٹ کے نام سے تو کہیں تفریحِ طبع کی خاطر اس طرح کے فحش مناظر کی عکس بندی کی جاتی رہی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور سے پہلے یہ پیڑوں، پودوں اور پتھروں وغیرہ پر عکس سازی تک محدود تھی اور اب ترقی کے نئے منازل طے کر رہی ہے۔ کیمرا اور ویڈیوگرافی کے دور کے بعد انٹرنیٹ نے اس کی محدود دنیا کو وسیع تر کر دیا ہے۔ پورن انڈسٹری والوں نے بھی اپنے منافع کو بڑھانے کے لیے اس عمل میں نئی نئی جدت طرازیاں کی ہیں اور سیکس کو مختلف کیٹگریز میں تقسیم کر دیا ہے، جس سے ان ویڈیوز کے ناظرین میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ اس وقت پورن انڈسٹری ایک منافع بخش پروڈکٹ کے روپ میں جانی جاتی ہے اور انٹرنیٹ کی آن لائن مارکیٹنگ نے اس کی تشہیر اور کمائی میں کافی اضافہ کیا ہے۔

آج لوگوں میں جنسی تکمیل کے جو غیر فطری اور وحشیانہ طریقے رائج ہو رہے ہیں، آئے دن معصوم اور نوخیز بچوں اور بچیوں کے ساتھ زنا بالجبر اور گینگ ریپ کے جو دلدوز اور وحشت ناک حادثے پیش آ رہے ہیں، آزادانہ ماحول، بُری صحبت، غلط تربیت اور اِنھیں فحش ویب سائٹس پر موجود غلط ویڈیوز کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

کسی بھی معاشرے کی تباہی کے لیے سب سے بڑا ہتھیار وہاں کے لوگوں میں جنسی تحریک و ہیجان پیدا کر کے ان کی اخلاقی حالت پست کر دینا ہے۔ جنسی کج روی کی تاریخ یہود و نصاریٰ سے ملتی ہے، یہی اس کے سب سے زیادہ شکار رہے ہیں اور ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اپنے علاوہ دیگر لوگوں کو زیر کرنے کے لیے انھوں نے اسے بطور ہتھیار استعمال کیا ہے۔ کبھی اس جنسی تحریک کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا گیا تھا تاکہ اُنھیں اخلاقی اعتبار سے پژمردہ بنا دیا جائے، مگر اس وقت پوری دنیا اس بے حیائی کے لپیٹ میں ہے۔

یہ صرف مسلمانوں کے لیے ضرر کا باعث نہیں ہے، بلکہ اس کے ذریعہ پوری نئی نسل اور پوری انسانیت کا جنازہ نکالا جا رہا ہے اور اس بے حیائی کے عام ہونے کی وجہ سے پوری انسانیت تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس وقت یورپی ممالک اس بے حیائی کے برے نتائج کا سب سے زیادہ شکار ہیں۔

ہماری اس صدی میں انٹرنیٹ اور موبائلوں کے بہ کثرت استعمال نے اس بے حیائی کو تقریباً بیش تر گھروں میں پہنچا دیا ہے اور چھوٹے بڑے سبھی اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں خود موبائل فون وغیرہ کا استعمال مثبت سوچ لے کر اس کے افادی پہلوؤں کے مطابق کرنا چاہیے، اپنے آپ کو اس کی ہلاکت خیزیوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اپنے اہلِ خانہ سمیت دیگر متعلقین کو بھی اس کے مثبت و مفید استعمال کی ترغیب دلانی چاہیے اور آنے والی نسلوں کو بھی ان میں موجود خرافات سے بچانے کی منظّم کوشش اور لائحہ عمل بنانا چاہیے۔ (جاری) ❁❁❁

مولانا شفیع اللہ عبدالحکیم مدنی
استاد جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر

چند مشہور رواۃ حدیث صحابہ کا مختصر تعارف

علوم حدیث کی اصطلاح میں **"رجال"** حدیث کی روایت کرنے والے ان اشخاص کو کہا جاتا ہے، جن کے توسط سے ہم تک احادیث پہنچی ہیں اور "علم الرجال" اس فن کو کہا جاتا ہے جس میں ان اشخاص کے نام کنیت، لقب، حسب ونسب، اساتذہ، تلامذہ، رحلات علمیہ، دینی واخلاقی حالات اور تاریخ وفات وغیرہ کا مفصل ذکر ہوتا ہے، علوم حدیث کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقد حدیث کے زیادہ تر قواعد "رجال" ہی سے متعلق ہیں، بلکہ حدیث کی صحت وضعف کا دارومدار بھی رجال ہی پر ہے، علم الرجال علوم حدیث میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اوراس کی معرفت کے بغیر حدیث کی صحیح معرفت ممکن نہیں ہے۔

علم الرجال کی مختصر تاریخ: صحابۂ کرام کی مقدس جماعت قرآن مجید کی شہادت کے مطابق عدالت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز تھی، ان کے یہاں حدیث کی روایت میں غلط بیانی اور زندگی کے عمومی حالات میں بھی کذب بیانی کا تصور نہیں تھا اس لیے ابتداء میں حدیث کی روایت میں سند یا رواۃ کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب امت اسلامیہ مختلف داخلی اورخارجی فتنوں کی زد میں آ گئی، مختلف مذہبی اور سیاسی جماعتیں وجود میں آ گئیں اور یہ جماعتیں اپنے اپنے موقف کی تائید کے لیے حدیث رسول میں غلط بیانی بلکہ کذب بیانی پر آمادہ ہو گئیں اور حدیثیں گھڑی جانے لگیں، اس وقت علمائے امت نے حدیث کے مثبت اور تحقیق کے لیے سند اور رجال کی تفتیش شروع کردی، رجال حدیث کی تفتیش کا کام کبار تابعین کے دور ہی میں شروع ہو گیا تھا اور خلافت عثمان کا دور بھی کبار تابعین کے دور میں شامل ہے اوراس کی تائید امام یحییٰ بن سعید القطان کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ "**اوّل من فتش عن الإسناد هو عامر الشعبي**" یعنی سید التابعین عامر شعبی (ت:۱۰۳ھ) نے حدیث کی سند کے بارے میں سب سے پہلے تفتیش کی، تابعی کبیر امام محمد بن سیرین (ت: ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں "**الإسناد من الدين ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء**" (صحیح مسلم ۱/۱۵)

یعنی حدیث کی سند بیان کرنا دینی فریضہ ہے، اگر یہ سند نہ ہوتی تو جس کو جو سمجھ میں آتا کہہ جاتا، تیسری صدی ہجری کی آمد کے ساتھ ہی **"علم الرجال"** باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کر گیا، رجال حدیث کے تعارف اوران کے اوپر جرح وتعدیل سے متعلق بے شمار کتابیں ہیں، حافظ ابن حجر کی رجال پر سب سے مختصر اور جامع کتاب "تقریب التہذیب" عام طور پر علماء اور طالبان علوم حدیث کے لیے اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، حافظ ابن حجر نے اس کتاب کو بارہ طبقات پر تقسیم کیا ہے، تمام صحابہ کرام کو ایک ہی طبقہ میں بیان کیا ہے، تابعین کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے اور تبع تابعین کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

"**الإصابة في تمييز الصحابة**" کو ایڈٹ کرتے

ہوئے جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنے مقدمہ میں یہ تاریخی الفاظ لکھے ''دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری اور نہ آج کہیں موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم المرتبت فن ایجاد کیا ہو جس کے باعث پانچ لاکھ مسلمانوں کے احوال معلوم ہوسکتے ہیں۔

چند مشہور رواۃ حدیث صحابہ کا مختصر تعارف:

(۱) مغیرہ بن شعبہ بن مسعود بن معتّب الثقفی: مشہور صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو محمد ہے۔

غزوۂ خندق کے سال مسلمان ہوئے، کوفہ کے امیر تھے، وہیں ۵۰ھ میں وفات پائی، ستر سال عمر تھی، انھوں نے ۱۳۶/ حدیث روایت کی۔

(۲) جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حزام الأنصاری السلمی: ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، یہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، جنگ بدر میں شریک ہوئے اور نبی ﷺ کے ساتھ ۱۹/ غزوات کیے، مدینہ میں ۷۴ھ میں وفات پائی، ۹۴/ سال عمر تھی، ۱۵۴۰/ حدیث روایت کی۔

(۳) عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی:

ان کی کنیت ابو العباس ہے، نبی ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں، ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے، نبی ﷺ نے ان کے لیے فهم في القرآن اور فقه في الدين کی دعا کی تھی، اسی لیے ان کو ترجمان القرآن، فقیہ امت اور حبر الأمۃ کا لقب ملا، بہت خوبصورت اور بڑے عالم تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے، اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی، ۷۱/ سال عمر تھی، ۱۶۶۰/ حدیث روایت کی، جن میں سے ۲۵/ حدیث نبی ﷺ سے باقی صحابہ سے۔

(۴) ابو موسیٰ الأشعری:

ان کا نام عبداللہ بن قیس بن سُلَیم بن حضار ہے، بہت مشہور صحابی ہیں، اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں، قرآن بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے، نبی ﷺ نے ان کو یمن پر عامل مقرر کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر عامل مقرر کیا تو ''اھواز واصبھان'' فتح کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ پر عامل مقرر کیا، جنگ صفین میں حَکَم تھے، ۵۰ھ میں وفات پائی، ۶۳/ برس عمر تھی، انھوں نے ۳۶۰/ حدیث روایت کی۔

(۵) انس بن مالک بن النضر الانصاری الخزرجی:

مشہور صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو حمزہ ہے، انھوں نے دس برس تک نبی ﷺ کی خدمت کی، بصرہ میں ۹۲ھ میں وفات پائی، ایک سو تین برس عمر تھی، ایک ہزار دو سو چھیاسی حدیث روایت کی۔

(۶) زید بن ارقم بن زید قیس الانصاری الخزرجی:

ان کی کنیت ابو عمرو ہے، مشہور صحابی ہیں، غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اور سترہ غزوات کیے، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ شریک ہوئے، انھیں نے عبداللہ بن سلول کے نفاق کو ظاہر کیا اور ان کی تصدیق کے لیے سورہ منافقون نازل ہوئی، کوفہ میں جا بسے اور وہیں ۶۶ھ میں وفات پائی، انھوں نے نوے حدیث روایت کی۔

(۷) سلمان الفارسی:

ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، ان کو سلمان الخیر اور سلمان الاسلام بھی کہتے ہیں، یہ فارسی الاصل ہیں، دین کی طلب میں نکلے تو پہلے عیسائی ہوئے اور آسمانی کتابوں کو پڑھا اور بڑی مشقتیں برداشت کیں، ایک عربی قوم نے ان کو پکڑ کر یہودیوں کے ہاتھ بیچ دیا اور مختلف مالکوں کے ہاتھ بکتے رہے، یہاں تک

کہ نبی ﷺ نے مدینہ میں یہودیوں سے خرید کران کوآزاد کردیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے اصحاب میں سے چار آدمیوں سے بڑی محبت کرتا ہے، علی، ابوذر، سلمان، مقداد۔

نبی ﷺ نے ابوالدرداء اور سلمان میں بھائی چارہ قائم کردیا تھا، غزوۂ خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے، عراق کی فتوحات میں شریک تھے، مدائن کے والی مقرر ہوئے، پانچ ہزار تنخواہ تھی جو کچھ تنخواہ ملتی تھی سب صدقہ کردیتے تھے، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چٹائی بُنتے تھے اور اسی ہاتھ کی کمائی پر گزارہ کرتے تھے، بڑے عالم وزاہد تھے، صحابہ میں سے انس وکعب بن عجرہ وابن عباس وابوسعید اور ابوہریرہ وغیرہ نے اور تابعین میں سے بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کیا، مدائن میں ۳۵ھ میں وفات پائی، ڈھائی سو ۲۵۰/ برس عمر تھی اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ ساڑھے تین سو برس عمر تھی، انھوں نے ۶۰/ حدیث روایت کی۔

(۸) ابوہریرہ: ان کی اور ان کے والد کے نام میں بہت اختلاف ہے، زیادہ مشہور اور صحیح یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر الدوسی، ایک چھوٹی سی بلی پال رکھی تھی جس کو ساتھ لیے رہتے تھے، اس لیے نبی ﷺ نے ان کی کنیت ابوہریرہ رکھ دی، یہ بہت مشہور صحابی ہیں، جنگ خیبر کے سال یعنی ۷ھ میں مسلمان ہوئے، اور اس جنگ میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے پھر برابر نبی ﷺ کے ساتھ رہے، علم دین سیکھنے کے بڑے شائق تھے، صحابہ میں سب سے زیادہ حدیث کے حافظ تھے، آٹھ سو سے زیادہ آدمیوں نے ان سے حدیث روایت کی، ۵۷ھ میں مدینہ میں وفات پائی، ۷۸/ سال عمر تھی، انھوں نے پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیث روایت کی ہے۔

(۹) ابوایوب الانصاری الخزرجی:

ان کا نام خالد بن زید ہے، اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو انھیں کے مکان میں اترے، ان کے بڑے فضائل ہیں، قسطنطنیہ میں غزوہ کرتے ہوئے ۵۱ھ میں وفات پائی اور وہیں ایک قلعہ کے نیچے مدفون ہوئے، انھوں نے ایک سو پچاس حدیث روایت کی۔

(۱۰) عبداللہ بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی المکی:

ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، مکہ میں اپنے والد کے ساتھ بچپن ہی میں مسلمان ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ ہجرت کی، جنگ احد میں چودہ سال کے تھے، اس لیے شرکت کی اجازت نہیں ملی، پھر غزوۂ خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے، بڑے پرہیزگار اور محتاط تھے، سنت کے متبع اور بہت عبادت گزار تھے، ہزاروں غلام آزاد کیے، بہت وسیع العلم تھے، ۷۳ھ میں مکہ میں وفات پائی، ۸۴/ برس عمر تھی، ایک ہزار چھ سو تیس حدیث انھوں نے روایت کی۔

(۱۱) عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب الہذلی:

ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، حضرت عمر سے پہلے مسلمان ہوئے، یہ چھٹے مسلمان تھے، نبی ﷺ نے ان کو اپنے خواص میں داخل کیا اور اپنی راز کی باتیں ان کو بتلاتے تھے۔

یہ ہمیشہ آپ کی خدمت کرتے اور آپ کا جوتا اٹھاتے، سفر میں آپ کے بچھونے تکیے، مسواک اور وضو کے پانی کا انتظام کرتے، حبشہ کی طرف ہجرت کی، جنگ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے، ان سے خلفاء اربعہ اور دوسرے صحابہ اور تابعین نے حدیث روایت کی، یہ عبادلہ فقہاء میں سے ہیں، یہ حضرت عمر کی طرف سے

کوفہ کے قاضی تھے، حضرت عثمان کے زمانہ میں مدینہ واپس آئے، اور وہیں ۳۲ھ میں وفات پائی، جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے، ٦٠ ربرس سے زیادہ عمر تھی، آٹھ سواڑتالیس حدیث روایت کی۔

(۱۲) عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل السہمی القرشی:

ان کی کنیت ابومحمد ہے، اپنے والد سے پہلے مسلمان ہوئے ان کے والدان سے صرف بارہ سال بڑے تھے، بڑے عالم اور عابد تھے، نبی ﷺ نے ان کو حدیث لکھنے کی اجازت دی، یہ عبادلہ اربعہ فقہاء میں سے ہیں، طائف میں ٦٣ھ میں وفات پائی انھوں نے سات سو حدیث روایت کی۔

(۱۳) عبداللہ بن مُغَفَّل المزنی:

ان کی کنیت ابوزیاد ہے یہ مشہور صحابی ہیں، انھوں نے تحت الشجرۃ بیعت کی پہلے مدینہ میں رہے، پھر بصرہ جا کر وہیں گھر بنالیا، یہ ان دس آدمیوں میں سے ہیں جن کو حضرت عمر نے بصرہ بھیجا تھا لوگوں کو دین سکھانے کے لیے، حسن بصری ان کے خاص شاگرد ہیں، ٦٠ھ میں بصرہ میں وفات پائی انھوں نے ۴۳ر حدیث روایت کی۔

(۱۴) معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس الانصاری الخزرجی المدنی:

ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، اٹھارہ برس کی عمر میں مسلمان ہوئے، اعیان صحابہ میں سے ہیں، جنگ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے، احکام شرعیہ اور قرآن کے بڑے عالم تھے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ معاذ قیامت میں علماء کے پیشوا ہوں گے، صحابہ اور تابعین نے ان سے حدیث روایت کی، ملک شام میں طاعون عمواس ۱۸ھ میں وفات پائی، انھوں نے ایک سو ستاون حدیث روایت کی۔

(۱۵) ابوسعید الخدری الانصاری:

ان کا نام سعد بن مالک بن سِنان ہے، اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں یہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، حدیبیہ میں تحت الشجرۃ انھوں نے بیعت کی، جنگ احد میں چھوٹے تھے، بعد کے غزوات میں شریک ہوئے علماء صحابہ میں سے تھے، مدینہ میں ۷۴ھ میں وفات پائی، جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے، چوراسی (۸۴) سال عمر تھی، انھوں نے ایک ہزار ایک سو ستر حدیث روایت کی۔

(۱٦) رویفع بن ثابت بن السکن بن عدی بن حارثۃ الانصاری المدنی:

یہ صحابی ہیں، مصر میں سکونت اختیار کی، امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بلاد مصر کے گورنر تھے۔ ۵٦ھ میں وفات پائی، انھوں نے آٹھ حدیث روایت کی۔

(۱۷) زبیر بن العوّام بن خویلد القرشی الاسلامی: ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، نبی ﷺ کے حواری اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، جنگ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

واقعہ جمل سے لوٹنے کے بعد جمادی الاولیٰ ۳٦ھ میں بصرہ کے قریب وادی السّباع میں عمرو بن جرموز نے ان کو قتل کردیا، بصرہ میں ان کی قبر مشہور ہے، انھوں نے ۳۸ر حدیث روایت کی۔

(۱۸) طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ القرشی التیمی المدنی:

ان کی کنیت ابومحمد ہے، یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے، جنگ بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے ان کو جاسوسی کے لیے شام کی طرف بھیجا تھا، جنگِ احد میں نبی ﷺ کو بچانے کے لیے دشمنوں کے

تیر اپنے ہاتھ پر روکتے رہے، یہاں تک کہ ہاتھ شل ہوگیا اور جسم زخموں سے چور ہوگیا، اس کے بعد تمام غزوات میں بھی شریک رہے، بہت مالدار اور بڑے فیاض تھے، جنگ جمل ۳۶ھ میں شہید ہوئے، بصرہ میں مدفون ہیں ۶۴؍سال عمر تھی، انھوں نے ۳۸؍حدیث روایت کی۔

(۱۹) حذیفہ بن الیمان العبسی:

الیمان کا نام حُسیل ہے اور الیمان لقب ہے اور حذیفہ کی کنیت ابوعبداللہ ہے، جلیل القدر صحابی ہیں، نبی کریم ﷺ نے قیامت تک ہونے والے حوادث وفتن ان کو بتلا دیے تھے، انھوں نے دِینور، ہمدان اور رَے وغیرہ فتح کیا، بہت سے صحابہ اور تابعین نے ان سے حدیث روایت کی، ان کے والد بھی صحابی ہیں جو جنگ احد میں شہید ہوئے، حذیفہ نے مدائن میں ۳۶ھ میں وفات پائی انھوں نے ایک سو سے زیادہ حدیث روایت کی۔

(۲۰) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

ان کی کنیت ام عبداللہ ہے، یہ حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی ہیں، ان کی ماں ام رومان ہیں، بعثت نبوی کے چار سال بعد پیدا ہوئیں ۱۰ھ نبوی میں نبی ﷺ نے مکہ میں ان سے نکاح کیا، جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی، اور ہجرت کے بعد مدینہ میں ان کی رخصتی ہوئی، جب کہ ان کی عمر نو برس تھی، بڑی عالمہ فاضلہ اور فقیہہ تھیں، ایام العرب اور اشعار کی بڑی عالمہ تھیں، نبی ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی، مدینہ میں ۵۷ھ میں وفات پائی، اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں، ۶۶؍سال عمر تھی، انھوں نے دو ہزار دو سو دس حدیث روایت کی۔

(۲۱) ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا:

ان کا نسب یہ ہے، میمونہ بنت الحارث بن حَزن بن بُحیر بن الہرم القرشیہ الہلالیۃ، ان کی ماں ہند بنت عوف بن زہیر ہیں، ان کے پہلے شوہر ابورُہم بن عبدالعزی وفات پا گئے تو ذوالقعدہ ۷ھ میں جب نبی ﷺ عمرۂ قضا کے لیے مکہ جا رہے تھے تو آپ نے مقام سرف میں ان سے نکاح کیا، ان کا نام بَرّہ تھا تو نبی ﷺ نے بدل کر میمونہ رکھا، حضرت میمونہ نبی ﷺ کی سب سے آخری بیوی ہیں، ۵۱ھ میں مقام سرف میں وفات پائی، انھوں نے ۴۶؍حدیث روایت کی۔

(۲۲) ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، ان کی ماں کا نام زینب بنت مظعون ہے، جو مشہور صحابی عثمان بن مظعون کی بہن تھیں، اور خود صحابیہ تھیں، حضرت حفصہ عبداللہ بن عمر کی حقیقی بہن ہیں، بعثتِ نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں، ماں باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کی، ان کے پہلے شوہر خُنَیس بن حذافہ جنگِ بدر کے زخموں سے شہید ہو گئے تو ۳ھ میں نبی ﷺ نے ان سے نکاح کیا، صوم وصلاۃ کی بڑی پابند تھیں، ۴۵ھ میں وفات پائی ۶۳؍سال عمر تھی، انھوں نے ۶۰؍حدیث روایت کی۔

(۲۳) علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب القرشی الہاشمی:

ان کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے، نبی ﷺ کے چچیرے بھائی اور داماد ہیں، چوتھے خلیفہ اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، چار سال نو مہینے خلافت کی، ۴۰ھ میں کوفہ میں عبدالرحمٰن بن مُلجَم کے ہاتھوں شہید ہوئے ۶۳؍سال عمر تھی، انھوں نے ۵۸۶؍حدیث روایت کی۔

(جاری)

❁❁❁

مولانا محبوب عالم عبدالسلام سلفی
استاد مدرسہ ضیاء العلوم السّلفیہ، چنز وٹا، نیپال

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی

یہ دنیا عارضی اور ناپائیدار ہے۔اس کی رعنائیاں اور دل فریبیاں صرف چند روزہ ہیں۔اس وسیع وعریض کائنات کو زینت بخشنے والی تمام اشیاء خواہ وہ جاندار ہوں یا غیر جاندار، نباتات ہوں یا جمادات، فضاؤں میں اڑنے والے پرندے ہوں یا زمین کی تہوں اور دریاؤں کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ لگانے والی مخلوقات غرض انسان و جنات سمیت دیگر تمام مخلوقات کو اللہ رب العزت نے ایک مقررہ مدت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور اُن کی روزی بھی مقرر کردی ہے۔خالق کائنات نے اس خوبصورت ترین دنیا کو وجود بخشنے اور اس میں انسانی آبادی کو قائم کرنے کا مقصد بھی قرآن حکیم میں بڑے ہی واشگاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔فرمان باری تعالی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورۃ الذاریات: 56) کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہمارا مقصدِ تخلیق صرف اور صرف خالقِ عزوجل کی عبادت و بندگی بجالانا ہے۔ ہر طرح کی عبادت و ریاضت، دعا و استمداد، نذر، تمنا، قربانی، امید، خوف، بلکہ اپنے پورے وجود کو اس خالقِ حقیقی سے وابستہ کر لینا ہے۔ اندرونی حالات سے لے کر بیرونی معاملات تک، انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر زندگی کو رضائے الٰہی کے رنگ میں رنگ دینا ہے، کیوں کہ قرآن کریم کی رو سے یہی مقصود الٰہی ہے اور ہماری تخلیق کے پیچھے یہی حقیقی منشا ہے۔اس آیت کریمہ سے واضح طور پر تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن وانس کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت و بندگی بجالانا اور اس کو راضی وخوش کر لینا ہے، تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم دنیا اور اس کے لوازمات سے بالکل کٹ جائیں، انسانی آبادی چھوڑ کر بیابانوں میں جا کر راہبانہ زندگی بسر کریں۔قرآن کریم میں جا بجا آفاق و انفس میں غور کرنے اور تسخیر کائنات کی ترغیب دلائی گئی ہے۔حقیقی بات یہ ہے کہ اگر ہم دینی فرمودات کو اپنی زندگی میں نافذ کر لیں، اسلامی نظریۂ حیات سے محکم وابستگی پیدا کر لیں تو دنیاوی ترقی کے جو معروضی اصول اللہ کی جانب سے مقرر ہیں، دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے وہ از خود حاصل ہو جائیں گے۔دین پر کاربند رہنے سے ہم دنیا میں بھی ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہو سکتے ہیں۔

اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے کچھ دنیاوی تقاضے بھی ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مکان زندگی کی بنیادی ضروریات ہیں۔ نکاح شادی، آل اولاد، ایک دوسرے سے تعلقات و معاملات ہر ایک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ان چیزوں کے لیے تگ و دو ضرور کریں، دنیاوی جھمیلوں میں ضرور رہیں، دنیاوی تقاضے بھی پورا کریں، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی پیش پیش رہیں، مگر دنیا سے اتنا دھیان نہ لگا

لیں کہ آخرت کو فراموش کر بیٹھیں، بعث بعد الموت سے منہ موڑ لیں۔ آج مادیت پرستی، زن، زر اور زمین کی حرص و ہوس میں انسانوں کی اکثریت اپنی زندگی کے حقیقی مقصد سے بے پرواہو چکی ہے۔ دوسری قوموں اور مذاہب کے پیروکاروں کی تو خیر بات ہی الگ ہے۔ اسلام کے برعکس اُن کے اپنے عقائد و نظریات اور رسوم و رواج ہیں، حتیٰ کہ موت و حیات کے تعلق سے بھی اُن کا اپنا علاحدہ فلسفہ ہے۔ اُن میں سے اکثر لوگ تو شرک کی غلاظتوں میں لتھڑے ہوئے ہیں، دنیاوی چمک دمک اور دنیاوی ترقیاں ہی ان کا مطمحِ نظر ہیں، لیکن ہم کلمہ گو موحد مسلمانوں کا اس بات پر پختہ یقین و اعتماد ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں ہمیں امتحان و آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس مختصر سی زندگی میں ہم جو کچھ بھی عمل کریں گے، میدان حشر میں جب رب ذوالجلال کی عدالت لگے گی تو اس کے دربار میں یہاں کے ایک ایک عمل بلکہ ذرے ذرے کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ ہمیں احتساب کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اُخروی زندگی کے تئیں اسی قدر حساس اور فکر مند ہیں، جس قدر دنیاوی زندگی میں بہتری کے لیے کوشش کر رہے ہیں؟ یقیناً نہیں! جس مقصد کے لیے اللہ نے اس عظیم الشان کائنات کو سجایا سنوارا تھا اور جس مقصد کے لیے جن و انسان کو اس دنیا میں بسایا تھا افسوس! ہم مسلمانوں کی اکثریت نے اس نصب العین سے منہ موڑ لیا ہے۔ ہماری ساری کدو کاوش، ساری دوڑ دھوپ دنیا اور اس کی لذتوں تک محدود ہو گئی ہے۔ دنیا کی محبت ہمارے دلوں میں رچ بس گئی ہے، ایمانی کمزوری کے ہم شکار ہو گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ذلت و نکبت اور پسپائی ہمارا مقدر بن گئی ہے۔ دین و مذہب، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا رشتہ بس جذباتی سا ہو کر رہ گیا ہے۔ اپنے خالق و مالک کے احکامات کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اُس کے حقوق کی کماحقہ پاسداری نہیں کرتے اور ہم نے اپنے مقصدِ تخلیق سے منہ پھیر لیا ہے۔ آپسی اخوت و محبت کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں اور باہم دست و گریباں ہیں، جب کہ ہمیں آپسی میل و محبت کو بڑھاوا دے کر اپنے خالقِ حقیقی کے حقوق کے ساتھ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے مقصدِ تخلیق پر غور و فکر کرتے ہوئے اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے، اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے۔ اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ اب تک زندگی کے گزرے ہوئے ماہ و سال میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا؟ خود سے پوچھنا چاہیے کہ ہمارے لیے یہ کام کرنا بہتر رہے گا یا بے سود؟ عبادات و اعمالِ صالحہ کے تئیں خود سے ہم کلام ہو کر یہ عہد کرنا چاہیے کہ یہ نیک کام ہمیں کرنا ہے تو کرنا ہے، یہ بری اور قبیح عادت ہمیں چھوڑنی ہے تو چھوڑنی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آدمی کی پیدائش دو مرتبہ ہوتی ہے۔ ایک اس وقت جس دن وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرے اُس وقت جس دن اُسے یہ احساس اور شعور ہو کہ ہمیں کیوں پیدا کیا گیا؟ ہماری تخلیق کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما ہیں؟ ؎

احساس بڑھا دیتا ہے درد کی شدت کو
محسوس کرو گے تو کسک اور بڑھے گی

اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو سہی! آخر ایسا کیوں ہے کہ ہم سانس لے رہے ہیں، جب کہ ہمیں جیسے ہزاروں لوگ پیدا ہونے کے بعد ہی آخرت کے لیے رختِ سفر باندھ لیتے ہیں، ہزاروں لوگ دنیا کی رنگینیاں اور رعنائیاں

دیکھنے سے قبل رحمِ مادر میں ہی موت کا تلخ جام پی کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو جاتے ہیں۔ ہزاروں افراد عنفوانِ شباب میں ہی سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر آخرت کی طرف سدھار لیتے ہیں کچھ تو خصوصیت ہمارے اندر ضرور پنہاں ہے کہ ربِ کائنات نے ہمارے وجود کو سلامت رکھا ہے کہ ہم سکون کی سانس لے رہے ہیں، دنیا کی لذتوں سے شاد کام ہو رہے ہیں، عقل و شعور کا استعمال کر کے زندگی کے لوازمات میں بہتری پیدا کر رہے ہیں۔

اللہ رب العالمین نے اس خوب صورت اور آرائش وزیبائش سے مزین دنیا کے لیے ہمارا انتخاب فرمایا ہے۔ ہمیں مسلم گھرانوں میں پیدا کر کے ہمارے اوپر احسانِ عظیم کیا ہے۔ تصور کیجیے کہ اگر ہم نے کسی غیر مسلم گھرانے میں اپنی آنکھیں کھولی ہوتیں تو آج توحید کی شمع سے بیگانہ ہو کر کفر و شرک کی عمیق گہرائیوں اور توہمات وخرافات کے دلدل میں پھنسے ہوتے، لاتعداد جھوٹے معبودانِ باطلہ کی پرستش کرتے، اپنے خالقِ حقیقی کے در کو چھوڑ کر غیروں کے در پر اپنی جبینِ نیاز خم کرتے اور رب العالمین کے پسندیدہ ترین دین، اسلام تک رسائی حاصل کرنا ہمارے لیے کتنا مشکل ترین مرحلہ ہوتا! کتنے ایسے نومسلم بھائی ہیں کہ جنھیں اسلام کے آغوش میں آنے کے لیے، اسلام کی سنہری تعلیمات کو گلے لگانے کے لیے ذہنی و جسمانی اذیتوں سے دو چار ہونا پڑا ہے، طرح طرح کے مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، اپنے اہل وعیال سے رشتہ ناطہ توڑنا پڑا ہے، خاندان اور قبیلے والوں کے ظلم وستم کو برداشت کرنا پڑا ہے۔ زمین، جائداد، بینک بیلنس اور پُرتعیش زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا ہے تب کہیں جا کر اسلام کے دامنِ عفو میں اُنھیں سکون کی زندگی میسر ہوئی ہے۔ اس لیے ہمیں اس محدود اور فانی زندگی نیز اسلام اور اس کے سنہرے تعلیمات کی قدر کرنی چاہیے، زندگی کے ایک ایک لمحے کو، ایک ایک سانس کو اُس خالق کے حکم کے تابع کر دینا چاہیے، جس نے ہمیں یہ زندگی عنایت کی ہے۔

قارئین کرام! آج ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں وہ بظاہر تو ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔ انسان ترقیوں کے مدارج طے کر رہا ہے، خلاؤں میں اپنی کمندیں ڈال چکا ہے، نئی نئی حیرت انگیز چیزیں دریافت ہو کر انسانی زندگی میں سہولت پیدا کر رہی ہیں، دولت وثروت کی بہتات ہے، زندگی کو خوش گوار بنانے کے لیے ہر قسم کی آسائشیں میسر ہیں، غرض یہ کہ جسمانی راحت وسکون کی ہر چیز وافر مقدار میں موجود ہے، مگر انسان کا وجود جو کہ جسم اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے۔ یعنی جس طرح جسمانی نشوونما کے لیے کھانا پینا، موسم کی تبدیلیوں کے اعتبار سے لباس پہننا، بھرپور نیند لینا اور آرام کرنا ضروری ہے، اسی طرح روحانی اور قلبی تسکین کے لیے تعلق باللہ، ذکر واذکار، تلاوتِ قرآن، عبادت وریاضت، صدقہ وخیرات، دعا واستغفار ضروری چیزیں ہیں۔

آج ہم جسمانی راحت کے لیے تو پوری تگ ودو کر رہے ہیں، دولت وثروت کے حصول لیے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں، تاہم روحانی سکون کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں، اللہ سے لَو لگانے کے لیے ہمیں فرصت نہیں ملتی، لَو لگاتے بھی ہیں تو بس رسمی طور پر خانہ پری کے لیے یا اپنی نیک نامی ظاہر کرنے کے لیے۔ عبادت وبندگی، صدقات وخیرات، دعا واستغفار، انسانی ہمدردی وغم گساری، جن سے روح کو سکون ملتا ہے اس سے ہم کوسوں دور بھاگ رہے ہیں، نتیجتاً آج پوری انسانیت تباہی کے دہانے پر ہے، قلبی راحت وسکون کا فقدان ہے،

انسان مادیت کے پھندے میں جکڑا ہوا ہے، اپنی سلطنت اور بادشاہی کے لیے، اپنی شان اور تمکنت دکھانے کے لیے انسانوں کا ہی خون کر رہا ہے، معمولی اختلاف کی وجہ سے برسوں بغض ونفرت کی کاشت کرتا ہے اور مدتوں حسد کی آگ میں جلتا ہے، انسان دنیاوی گہما گہمی میں اس قدر گھر چکا ہے کہ بعضوں نے تو خالقِ کائنات کا بھی انکار کر دیا ہے، الغرض روحانی طور پر کھوکھلا ہونے کی وجہ سے رحمتیں بھی زحمت بن گئی ہیں، آسائشیں بھی اذیت بن گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی وجود کی سلامتی اور سکون کے لیے جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی ناگزیر ہے۔ دونوں کی دستیابی اور توازن کے بعد ہی انسان حقیقی سکون سے آشنا ہوسکتا ہے۔

یادرکھیں! یہ مختصر سی زندگی رنگ رلیاں منانے، موج مستی کرنے، فخر ومباہات میں شرابور رہنے اور لہو ولعب میں منہمک رہنے کا نام نہیں ہے کہ پیدا ہوئے، ہنستا کھیلتا بچپن گزارا، شباب آئی موج مستیاں کیے، شادی رچائی، بچے پیدا کیے، فلک بوس عمارتیں تعمیر کروائیں، زمین جائداد خریدی، بینک بیلنس کیا، چمچماتی ہوئی گاڑیاں خریدیں اور پھر بوڑھے ہوکر پیوندِ خاک ہوگئے۔ یہ زندگی حادثاتی اور اتفاقی طور پر بھی ہمیں نہیں ملی ہے کہ بس ایک حادثہ اور اتفاق تھا کہ ہم پیدا ہوگئے اور پھر ایک دن آئے گا کہ مر بھی جائیں گے۔ نہیں ہرگز نہیں! یہ زندگی جو خالقِ کائنات نے ہمیں عنایت کی ہے اس کے پسِ پردہ خالقِ کون ومکاں کا ایک عظیم منصوبہ ہے، ایک وژن ہے، ایک پلاننگ ہے اور وہ پلاننگ یہ ہے کہ ہم اِس زندگی کی اہمیت کو سمجھیں، اِس زندگی کے ڈور کو اپنے پیدا کرنے والے خالق کے ہاتھ میں دے دیں وہ جس طرف قدم بڑھانے کو کہے اسی طرف قدم بڑھائیں وہ جس طرف جانے سے روک دے اس سمت جانے سے باز آجائیں۔

یہ زندگی نہایت ہی مختصر بس چند روزہ ہے جو کہ امتحان وآزمائش کے لیے عطا کی گئی ہے۔ ہم جو بھی اچھا برا عمل اس زندگی میں کریں گے، موت کے بعد کا جو مرحلہ ہے یعنی آخرت کی دائمی زندگی اس میں اس دنیاوی زندگی کے ایک ایک لمحے کا ہمیں حساب دینا ہے۔ اگر ہم نے اس عارضی زندگی کو با مقصد گزارا، خالقِ حقیقی کی اطاعت وفرماں برداری میں گزارا تو جنت کی بیش بہا نعمتیں ہمیشہ ہمیش کے لیے ہمارا مقدر ہوں گی اور خدانخواستہ اگر ہم نے اس دنیاوی زندگی کو یوں ہی بدمستیوں میں گزار دیا، رقص وسرود کی محفلیں آراستہ کرنے میں صرف کر دیں، رب کی نافرمانیوں میں ڈوبے رہے تو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور بدترین قسم کے عذاب سے دو چار ہونا طے ہے۔ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ موت کے بعد ہمیں ایک نئی زندگی میں قدم رکھنا ہے جو دائمی ہے، کبھی نہ ختم ہونے والی ہے، لیکن پھر بھی ہم غفلتوں کے دبیز چادر میں لپٹے ہوئے اللہ کے حکموں کی سرتابی کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی پتا ہے اور اس بات پر ایمان بھی ہے کہ موت کا تلخ جام پینے کے بعد دنیاوی زندگی کا سارا قصہ یکلخت ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ ہمیں برزخ کی زندگی کے مرحلے کو عبور کرنا ہے، میدانِ حشر کی سختیوں کو برداشت کرنا ہے، رب کے سامنے حاضر ہوکر ذرے ذرے کا حساب دینا ہے، پل صراط سے گزرنا ہے؛ مگر افسوس یہ سب جانتے ہوئے بھی ہم غفلت کی نیند سو رہے ہیں، گناہوں کی آلائشوں میں لت پت ہیں، ہماری فکر وسوچ کا محور محض دنیا اور اس کی آسائشوں تک محدود ہوگیا ہے۔ علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ“ (صحيح بخاری: 6416)

یعنی ”دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جیسے تم اجنبی ہو یا عارضی طور پر کسی راستہ پر چلنے والے مسافر ہو۔“

اس حدیث مبارکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیاوی زندگی کو اجنبی اور مسافر کی زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح ایک مسافر سفر کے دوران بس عارضی اور ضروری طور پر کہیں قیام کرتا ہے پھر اپنی اصل منزل کی طرف رواں دواں ہوجاتا ہے، اسی طرح ایک مومن کو یہاں کی زندگی کو ایک عارضی قیام گاہ کے طور پر گزارنا چاہیے اور اصل منزل یعنی آخرت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ اللہ کے ذکر وشکر میں اپنی زبان تر رکھنی چاہیے، کیوں کہ اس ذاتِ کریم نے دولتِ اسلام کے ساتھ ساتھ ہمارے اوپر بے شمار نعمتوں کی بارش کی ہے، ہمیں صحیح سالم دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان اور ناک دیا ہے۔ جب کہ دنیا کے اندر بہتیرے لوگ اِن نعمتوں اور نوازشوں سے محروم ہیں۔ کچھ تو ایسی بیماریوں میں مبتلا ہیں کہ ہسپتال کے در و دیوار اُن کی دنیا ہے، دوائیں اُن کی غذا ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ اُن کے پاس دولت وثروت کی ریل پیل ہے، مگر پھر بھی قلق و اضطراب کے شکار ہیں، ذہنی کوفت اور قلبی الجھن سے دوچار ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور ایک دن ہمیں اِس دنیائے دوں کے تمام سرمائے اور جمع پونجی کو چھوڑ کر رخصت ہونا ہے، اس لیے کیوں نہ ہم اپنے آپ پر غور وفکر کرکے اس مختصر سی زندگی کو با مقصد بنالیں، اپنے رب سے اپنا تعلق مضبوط کرلیں، سفرِ آخرت کے لیے نیکیوں کا توشہ تیار کرلیں، دوسروں کے لیے خیر کا باعث بن جائیں، دوسروں کو حقیر سمجھنے سے باز آجائیں، دنیا کو بھی خوش گوار بنالیں اور آخرت کو بھی سنوار لیں۔

جس دنیا کی آسائش و نِعم کو ہم دونوں ہاتھوں سے بٹورنے میں لگے ہوئے ہیں، حرام وحلال کی کوئی پروا نہیں کرتے، مال واولاد کی چاہت میں آخرت کو بھول بیٹھے ہیں، اس دنیا کی حقیقت وحیثیت کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ“ (جامع ترمذی: 2320، السلسلة الصحيحة: 686)

”اگر دنیا کی قدر و قیمت اللہ کے یہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کافر کو اس میں سے ایک قطرہ پانی بھی نہ پلاتا۔“

آخر اس بے ثبات دنیا کے پیچھے ہم کب تک لگے رہیں گے؟ اس کی رنگینیوں میں کب تک کھوئے رہیں گے؟ ہماری زندگی میں وہ مسرت ساعت کب آئے گی کہ جب ہم سب کچھ بالائے طاق رکھ کر ایک اچھے انسان بنیں گے، ایک اچھے اور مفید شہری بنیں گے، ایک اچھے مسلمان بنیں گے اور اپنے خالق سے لو لگائیں گے؟ اس ذات سے اپنا رشتہ استوار کریں گے؟ ابھی بھی وقت ہے ہم اپنے گناہوں پر نادم ہوں، اللہ کے حضور روئیں، گڑگڑائیں اور اُس سے اپنے کیے کی معافی مانگیں، اللہ ہمیں معاف کرنے کے لیے تیار ہے، اُس کی رحمت وبخشش کا دروازہ کھلا ہے، بس دیر اس بات کی ہے کہ ہم اُس کے سامنے سربسجود ہوں۔ اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھیں اور اسی کے مطابق خود کو ڈھالیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

تحریر: محمد مصطفیٰ کعبی ازہری
فاضل الازہر اسلامک یونیورسٹی مصر عربیہ

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک مشہور روایت کا تجزیہ

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

حَدَّثَنَا أَبُو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ الْمَعَافِرِيُّ، ثنا أَبُو عَلِيٍّ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ التَّاجِرُ ثنا أَبُو يَاسِرٍ عَمَّارُ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْجُوبَارِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ حَاتِمًا الْأَصَمَّ، يَقُولُ: *قَالَ شَقِيقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ:

☆مَرَّ إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَدْهَمَ فِي أَسْوَاقِ الْبَصْرَةِ فَاجْتَمَعَ النَّاسُ إِلَيْهِ، فَقَالُوا لَهُ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (سوره الغافر: 60)

وَنَحْنُ نَدْعُوهُ مُنْذُ دَهْرٍ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَنَا، قَالَ:

*فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: يَا أَهْلَ الْبَصْرَةِ مَاتَتْ قُلُوبُكُمْ فِي عَشَرَةِ أَشْيَاءَ:

أَوَّلُهَا: عَرَفْتُمُ اللَّهَ وَلَمْ تُؤَدُّوا حَقَّهُ.

وَالثَّانِي: قَرَأْتُمْ كِتَابَ اللَّهِ وَلَمْ تَعْمَلُوا بِهِ.

وَالثَّالِثُ: ادَّعَيْتُمْ حُبَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرَكْتُمْ سُنَّتَهُ.

وَالرَّابِعُ: ادَّعَيْتُمْ عَدَاوَةَ الشَّيْطَانِ وَوَافَقْتُمُوهُ.

وَالْخَامِسُ: قُلْتُمْ نُحِبُّ الْجَنَّةَ وَلَمْ تَعْمَلُوا لَهَا.

وَالسَّادِسُ: قُلْتُمْ نَخَافُ النَّارَ وَرَهَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِهَا.

وَالسَّابِعُ: قُلْتُمْ إِنَّ الْمَوْتَ حَقٌّ وَلَمْ تَسْتَعِدُّوا لَهُ.

وَالثَّامِنُ: اشْتَغَلْتُمْ بِعُيُوبِ إِخْوَانِكُمْ وَنَبَذْتُمْ عُيُوبَكُمْ.

وَالتَّاسِعُ: أَكَلْتُمْ نِعْمَةَ رَبِّكُمْ وَلَمْ تَشْكُرُوهَا.

وَالْعَاشِرُ: دَفَنْتُمْ مَوْتَاكُمْ وَلَمْ تَعْتَبِرُوا بِهِمْ.

ترجمہ: ابو حامد احمد بن محمد بن الحسین المعافری نے ابوعلی احمد بن محمد یعقوب التاجر سے، انہوں نے ابو یاسر عمار بن عبدالحمید سے، انہوں نے احمد بن عبداللہ الجوباری سے بیان کیا ہے کہ حاتم الاصم نے شفیق بن ابراہیم رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک دفعہ ابراہیم بن اُدھم بصرہ کے بازار سے گزر رہے تھے کہ لوگ ان کے ارد گرد اکٹھے ہوگئے اور پوچھنے لگے۔

اے ابواسحاق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد

فرمایا ہے:﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ ''مجھے پکارو میں تمہاری پکار اور دُعا قبول کروں گا'' (سورہ الغافر: 60)

اور ہم مدتوں سے اسے پکار رہے ہیں لیکن وہ ہماری دُعائیں قبول نہیں کرتا؟۔

☆**ابراہیم بن اُدھم رحمہُ اللہ نے فرمایا:** ''اے بصرہ والو تُم لوگوں کے دِل دس چیزوں کے سلسلے میں مردہ ہو چکے ہیں۔''

☆تُم لوگوں نے اللہ کے بارے میں جانا لیکن اس کا حق ادا نہیں کیا۔

☆تُم لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہو لیکن اُس پر عمل نہیں کرتے۔

☆تُم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو لیکن اُن کی سُنّت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

☆تُم لوگ شیطان سے دُشمنی کا دعویٰ کرتے ہو لیکن (عملی طور پر) اُس کی موافقت کرتے ہو۔

☆تم لوگ کہتے ہو کہ ہمیں جنّت پسند ہے، لیکن اس کے حصول کے لیے جدوجہد نہیں کرتے۔

☆تُم لوگ کہتے ہو ہم جہنم سے ڈرتے ہیں حالانکہ اپنے آپ کو اُس کے ساتھ گروی کر رکھا ہے۔

☆تُم لوگ کہتے ہو کہ موت حق ہے لیکن اس کے لیے تیاری نہیں کرتے۔

☆تم لوگ اپنے (مُسلمان) بھائیوں کی خامیاں تلاش کرنے میں مشغول رہتے ہو اور اپنی خامیوں کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

☆اپنے رب کی نعمتیں کھاتے ہو لیکن اس کا شکر ادا نہیں کرتے

☆تُم لوگ اپنے مردے دفناتے ہو لیکن ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

تخريج الحديث: حلية الأولياء لأبى نعيم الأصبهاني: 11343، وحلية الأولياء وطبقات الأصفياء: 8 / 16، مطبوعه دارالكتاب العربى بيروت، لبنان، ومطبوعه السعادة –مصر، وحلية الأولياء لأبى نعيم الأصبهاني – مكتبة الخانجي القاهرة: 8 / 15 و 16، والجامع لأحكام القرآن للقرطبى: 2 / 312، وجامع بيان العلم وفضله: 2 / 122، دیکھیں:حلية الأولياء لأبى نعيم الأصبهاني مترجم اردو – دارالاشاعت کراچی پاکستان: 8 / 225 رقم: 11201)

☆**حکم الحدیث:** یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے: اس میں احمد بن عبداللہ الجوباری کذاب ہے اور شقیق بن ابراہیم منکرالحدیث ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں:(ميزان الاعتدال للذهبى: 1 / 6 و 7 رقم: 421، وكتاب المجروحين لابن حبان: 1 / 142، و لسان الميزان لابن حجر: 1 / 206و207، والكامل فى معرفة ضعفاء المحدثين وعلل الحديث لابن عدى: 1 / 17)

☆**خلاصہ کلام:** معلوم ہوا ہے کہ ابراہیم بن اُدھم کی مذکورہ بالا روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے الجامع لاحکام القرآن میں اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاءعلوم الدین میں بغیر سند کے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

❁❁❁

ذکاءاللہ عبیداللہ
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

فلسطین کا علمی مقام (1)

فلسطین ایک بابرکت اور زرخیز زمین ہے جس پر اللہ نے بے شمار نعمتیں نچھاور کر رکھی ہیں، اللہ نے اس زمین کو اقتصادی، زراعتی اور تجارتی لحاظ سے کافی کارگر اور مفید بنایا ہے، یہ زمینیں سمسم، انگور اور زیتون کی کھیتی کا مرکز ہے، یہاں کی 33 فیصد زمین کاشت کاری میں کارآمد ہے، بہت سے انبیاء کرام نے اس کی آغوش میں زندگی بسر کی اور یہی ان کا مدفن رہا ہے، اور جہاں تک اس زمین سے علم کا تعلق ہے تو یہ کبھی حرمان علم کا شکار نہیں رہی اور نہ ہی علماء کی پیدائش سے بانجھ رہی، اس نے ہر دور میں عبقری، قدآور اور عہد شناس علماء کو جنم دیا جنھوں نے پوری دنیا میں اپنے علم کا لوہا منوایا، اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد ہر دور میں یہ زمین علمی سیم وزر کی مالک رہی، اسلام کی آمد سے پہلے یہاں کی سر زمین پر حکومت کر رہے ہلنستی (یونانی تہذیب کے علمبردار) اور روم کے زمانے کے ماہر فلسفی اور دیگر علم کے ماہرین آج بھی تاریخ کے اوراق کی زینت ہیں۔

☆ **ھیلنستی حکومت**: ہلنستی عہد میں عسقلان ان کا علمی اور فکری مرکز تھا جہاں ''انطیوخس، وسوس، انتیبوس اور یوبیوس'' (موجز تاریخ فلسطین ص:380) جیسے نامور فلاسفہ نے شب وروز گزارے، "بطلیموس اور دوروثیوس نحو و بلاغہ میں مشہور تھے اور مؤرخین میں ابولیونیوس، ارتیمد یوساودابولونیوس العکی" (حوالہ مذکور) قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ فلسطین کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے علماء، شعراء، ادباء اور مؤرخین کا نام ملتا ہے، جن میں شیودروس، منیبوس اور ہبودراموس (حوالہ مذکور ص: 380,82) وغیرہ قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ فلسطین کے مختلف علاقوں میں مدارس کی تاسیس بھی عمل میں آئی لیکن اس حکومت کا پورا زور یونانی زبان پر رہا جس سے عربی زبان کافی متاثر اور کمزور ہوگئی۔ (حوالہ مذکور ص:380 تغییر کے ساتھ)

☆ **رومانی حکومت**: عہد رومانی میں علم اور علماء کی قدر میں کوئی گراوٹ نہیں آئی بلکہ مزید مدارس کی بنیاد رکھی گئی اور ان کے اعلی عہدوں اور تنخواہوں کا خاص خیال رکھا گیا ''غزہ میں علمی ادارے، جامعات اور قیمتی لائبریریوں کی تاسیس کا عمل بھی انجام دیا اور اس میں روز افزوں ترقی بھی ہوتی رہی'' (حوالہ مذکور ص:318 مفہوم) ''یونانی امبراطوریہ کے زمانہ میں بیت المقدس، قیصریہ اور غزہ مختلف کتب خانہ پائے جاتے تھے'' (حوالہ مذکور ص:418) ان کے یہاں ''فلسفہ، نحو، بلاغہ اور خطابہ بنیادی تعلیم تھی'' (حوالہ مذکور ص: 418,19) ''فن خطابت میں مہارت کی غرض سے غزہ میں ایک بڑے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا جس کی شہرت کا ڈنکا پورے فلسطین، سوریا اور تمام مشرقی ممالک تک رہا، اس مدرسہ میں یونانی، رومانی اور عربی خطبا ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مسابقہ کرتے تھے''۔ (تاریخ غزہ از عارف العارف ص:72)

رومانی علمی شخصیتوں میں سے قابل ذکر علماء مندرجہ ذیل ہیں: بروفوریوس (غزہ)، وزوسیموس (غزہ)، وتیمونستیون العسقلانی، زوسیموس (عسقلان)، بطلی موس (عسقلان) ھایوزیوس (قیصریه)، جیلا سیوس (قیصریه) وغیرہ (موجز تاریخ فلسطین ص:420)۔

☆ **عہد صحابہ**: دور فاروقی سے فلسطین حدود

اسلامی میں داخل ہوگیا اور دور فاروقی سے ہی وہاں صحابہ کرام نے سکونت اختیار کرلی اور اسلام کی نشر و اشاعت میں لگ گئے شرک و بدعت کا قلع قمع کرنا شروع کردیا ’’حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک علمی جتھا شام کی طرف روانہ کیا جس میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فلسطین کے لیے منتخب کیا، آپ وہاں پر علمی فریضہ انجام دینے لگے اور اسی حالت میں آپ کی وفات ہوگئی، (الموسوعة الفلسطينية 2/255) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے معروف شاگرد عبد الرحيم بن غنم الأشعری کبار تابعین میں سے ہیں‘‘ (حوالہ مذکور ص:256/2) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو فلسطین بحیثیت معلم اور قاضی کے راوانہ کیا گیا (الموسوعة الفلسطينية 2/256 مفهوم) بیت المقدس میں ہر نماز کے بعد لوگ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اردگرد موجود ہوتے اور آپ علم کی موتیاں بکھیرتے ،حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ فریضہ پوری زندگی ادا کی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی‘‘ (الموسوعة الفلسطينية 2/321 مفهوم) ’’عبادہ بن نسی الکندی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں‘‘ (حوالہ مذکور 256/2) خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں ’’عبداللہ بن سعد بن ابوسرح القرشی رضی اللہ عنہ نے علمی فرائض انجام دیے (الحياة العلمية فی غزة و عسقلان منذ بداية عصر العباسی حتی الغزو الصليبی از زهير عبد الله ص: 81) ’’عسقلان میں جنہوں نے سب سے پہلے علم حدیث کی شمع روشن کی وہ صحابی جلیل ابو قرصافہ جندرة بن خيشنة الكنانی (70ھ) ہیں (حوالہ مذکور ص 85 بحوالہ تاریخ کبیر) ان سے ان کے بیٹے تابعی عبدالرحمان بن ابوقرصافہ حدیث روایت کرتے ہیں

(حوالہ مذکور بحوالہ تاریخ ابن عساکر)

’’صحابی جلیل عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فقہ میں اعلی درجہ کا درک رکھتے تھے وہ فلسطین کے اولین فقہاء میں سے ہیں، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور امویوں کے دور اختلاف میں عسقلان میں پناہ لے رکھی تھی (حوالہ مذکور ص: 94 بحوالہ تاریخ ابن عساکر) مذکورہ صحابہ صرف خاص فن میں ہی نہیں بلکہ قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ سب میں ماہر تھے، بس اپنے خصوصی فن میں ممتاز گردانے جانے لگے۔

آہستہ آہستہ سرزمین فلسطین صحابہ، تابعین، قراء، فقہاء اور محدثین سے پر ہونے لگی لوگ علم کی تشنگی بجھانے فلسطین کے لیے عازم سفر ہونے لگے، عہد فاروقی میں تقریبا ’’نو صحابہ نے قدس میں زندگی گزاری اور وہیں دفن ہوئے‘‘ (الموسوعة الفلسطينية 6/809) جن کا ذکر تراجم کی کتابوں میں موجود ہے، ان کے علاوہ دیگر بہت سے صحابہ نے بھی فلسطین میں زندگی بسر کی جن کا ذکر مصادر کی کتابوں میں موجود ہے۔

☆**اموی حکومت:** اموی دور حکومت میں بھی کاروان علم کا سلسلہ جاری رہا، اموی عمارتیں تعمیر کرانے کے کافی شوقین تھے، جس کے لیے کافی دولت بھی خرچ کرتے تھے، لیکن جس قدر عمارتوں سے ان کو محبت تھی ویسے ہی علم کی راہ میں بھی بلا تردد دولت خرچ کرتے تھے، ’’ولید بن عبدالملک نے ابراہیم بن ابی عبلہ رحمہ اللہ کو چاندی کے بڑے پیالہ دیے اور ان کو بیت المقدس کے قراء میں تقسیم کرنے کا حکم بھی جاری کیا ‘‘الموسوعة الفلسطينية 6/810 بحواله مثير الغرام)

’’اس حکومت میں فلسطین میں علوم قرآن، حدیث و فقہ اور علوم عربیہ پر زیادہ زور تھا‘‘ (الموسوعة الفلسطينية 2/321)

’’حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس دور حکومت میں فلسطین کا رخ کیا جن میں ایک بڑی تعداد بیت المقدس، رملہ، طبریا، غزہ اور عسقلان وغیرہ میں پناہ گزیں ہوئی، یہاں کے لوگوں نے علم حدیث پر کافی توجہ دی۔‘‘ (الحياة العلمية فی غزة و عسقلان...ص: 86)

''اموی دور حکومت میں بنو امیہ کے غلاموں کی ایک جماعت جو قرأت قرآن میں کافی مشہور تھی، جنھوں نے فلسطین خاص کر غزہ اور عسقلان کے علمی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا انہیں قراء میں ابوعبید حیی بن عمرو غلام سلیمان بن عبدالملک بھی تھے جو بیت عفا کے رہنے والے تھے'' (الحیاۃ العلمیۃ فی غزۃ و عسقلان منذ بدایۃ العصر العباسی ص:82 بحوالہ تاریخ ابن عساکر) فلسطینی مسلمانوں کے علاوہ وہاں کے یہودی اور نصرانی باشندگان بھی اس دور حکومت میں علمی میدان میں پیش پیش رہے، مسلمان اہل کتاب کا علم حاصل کرتے اہل کتاب مسلمانوں کا علم ''فلسطین میں اسلامی حکومت کی آمد سے سے ہی مسلمان علماء اور مسیحیوں میں مناظرے ہوتے چلے آئے ہیں۔ بسا اوقات یہ مناظرے خلفاء اور امراء کی موجودگی میں ہوتے تھے۔(الموسوعۃ الفلسطینیۃ 2/323)

''خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ریاستی دواوین کو عربی زبان میں منتقل کرادیا تھا'' (حوالہ مذکور ص:322) جس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ عربی زبان وقواعد کی طرف زیادہ ہوگئی۔

اموی دور حکومت میں علم حدیث کی تدوین اور اس کی نشر واشاعت کسی سے مخفی نہیں فلسطین ہی نہیں بلکہ عالم اسلامی میں تدوین حدیث کی ایک لہر سی دوڑ پڑی تھی". اموی دور حکومت کے آخری ایام میں رجاء بن حیوہ بڑے علماء اور تابعین میں شمار کیے جاتے تھے، امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی حدیثوں کو روایت کیا ہے۔(الحیاۃ العلمیۃ فی غزۃ، ص:87 بحوالہ تاریخ ابن عساکر) '' آپ عبدالملک بن مروان اور عمر بن عبدالعزیز کے کاتب تھے۔(حوالہ مذکور ص:107) اور یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں ان کو 30 دینار ہر مہینہ آپ کو عطا کیا جاتا تھا (حوالہ مذکور ص:128)

''اس زمانہ میں خواتین نے بھی روایت حدیث میں دلچسپی دکھائی، فلسطین کی مشہور محدثہ میں ام درداء رضی اللہ عنہا کا نام آتا ہے جنھوں نے چھ مہینہ بیت المقدس میں قیام کیا تھا'' (حوالہ مذکور) ایسے ہی عزہ بنت ابی قرصافہ رضی اللہ عنہا نے بھی روایت حدیث کا فریضہ انجام دیا۔(حوالہ مذکور بحوالہ تہذیب التہذیب از ابن حجر عسقلانی)

☆ **عہد عباسی:** خلافت عباسیہ کو جو چیزیں ممتاز کرتی ہیں اس میں ان کی علمی کاوشوں اور علمی آثار کا نمایاں کردار ہے، بنوامیہ کے علمی اقدامات کو مزید مضبوط بنایا خصوصا غزہ اور عسقلان میں اس محاذ پر زیادہ زور دیا'' دوسری صدی ہجری میں بہت سے معروف علماء نے شام کی طرف ہجرت کی تھی'' (الموسوعۃ الفلسطینیۃ ص:324، خلاصہ) '' محمد بن ابراہیم نے طلب علم کی غرض سے شام کا قصد کیا، بیت المقدس میں ٹھہرے اور حدیث بیان کی۔'' (حوالہ مذکور) '' تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں حافظ ابونعیم رحمہ اللہ بغداد سے شام آئے اور مقام رملہ میں قیام کیا اور وہاں بہتوں سے حدیث روایت کی (حوالہ مذکور) علم حدیث اور فقہ کے مشہور عالم محمد بن یعقوب جو ابن الفرخی کے نام سے معروف ہیں، رملہ کی جامع مسجد میں واعظ اور خطیب تھے۔(حوالہ مذکور) '' مقام ایلہ جہاں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلاموں کی ایک بڑی تعداد نے سکونت اختیار کرلی تھی جن کی ذریت بعد کے زمانہ تک رہی یہ لوگ علم حدیث سے شغف رکھنے والے تھے، علمائے مصر وشام اور حجاز سے ان کے گہرے روابط تھے، شہر ایلہ علوم دینیہ خصوصا علم حدیث میں دیگر علاقوں سے سبقت لے جانے والا تھا یہاں تک کہ بعض لوگوں کا یہ گمان تھا کہ'' ایلہ بلاد شام میں'' روایت حدیث کے اہم مراکز میں سے ہے''۔(حوالہ مذکور بحوالہ مغازی از واقدی) '' پہلی دوسری صدی ہجری سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک ایلہ کی علمی شہرت برقرار رہی جس کی وجہ سے وہاں کے علما کا صحابہ اور

فقہائے مدینہ سے بہترین تعلقات تھے، وہاں کے علماء نے ابن عمر، اسماء بنت ابی بکر، ابن عباس، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور زہری رحمہ اللہ سے حدیث نقل کیا ہے''۔(الموسوعة الفلسطينية بحواله تاريخ الرسل و الملوك الطبرى) یہاں تک کہ بعض علمائے مدینہ نے فقہائے ایلہ سے حدیث روایت کی ہے جس کی مثال خود امام دار الھجرہ مالک بن انس رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے حسین بن رستم ایلہ سے روایت کیا ہے (حوالہ مذکور بحوالہ الطبقات الكبرى از ابن سعد)''امام نسائی، لیث بن سعد اور یحییٰ بن حمزہ رحمہم اللہ کے تعلقات ان محدثین سے تھے جو ایلہ کے محدثین سے روایت کیے ہوتے تھے''(حوالہ مذکور بحوالہ الیسرة ابن ہشام) نیز''امام زہری رحمہ اللہ بھی ایلہ کی طرف اپنی آمد ورفت رکھتے تھے''۔ (حوالہ مذکور)

عہد عباسی میں عسقلان میں قراء کی بہتات تھی''ابو الحسین الملطی (377ھ) عسقلان اور قدس کے قراء میں سے ہیں انہوں نے علم قرأت پر کتاب لکھی ہے''۔(الحياة العلمية في غزة و عسقلان منذ بداية العصر العباسي حتى الغزو الصليبي ص: 82) ان کے علاوہ ابو محمد العسقلانی (حوالہ مذکور بحوالہ معرفو كبار القراء للذهبى) ابو الحسن علی بن الحسن بن بلبل النحوی (حوالہ مذکور) قابل ذکر ہیں،''غزہ میں دو بھائی ابوبکر اور ابو الحسن نے بھی اس فریضہ کو انجام دیا۔ یہ دونوں سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں (حوالہ مذکور ص: 83 بحوالہ فضائل بیت المقدس للمقدسی)

علم تفسیر میں آدم بن ابوایاس العسقلانی معروف ہیں فتنہ خلق قرآن کے زمانہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حق میں اپنا موقف رکھتے تھے، (حوالہ مذکور بحوالہ ص: 84 تاریخ کبیر از بخاری) ان کے علاوہ محمد بن حماد الطهران (211ھ) عسقلان{، ابو الحسن ابو عیاش (غزہ) (حوالہ مذکور ص: 84) بھی فن تفسیر میں مہارت رکھتے تھے۔

فلسطین کی زمین محدثین سے بھی خالی نہیں بلکہ عہد عباسی میں محدثین کی کثیر تعداد فلسطین میں رہتی تھی، جن میں بعض مكثر الروايه تھے جو فلسطین ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلامی میں مشہور تھے ان کی شہرت کی وجہ سے دور دراز کے علما بھی فلسطین کا قصد کرتے تھے ایسے محدثین کی تعداد کافی زیادہ ہے جن کا تعلق کسی طرح فلسطین سے تھا جن میں بعض کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

''ابو عمر حفص بن ميسره الصنعانى، ابو غسان المدينى، شعبه بن حجاج، سفيان ثورى رحمه الله نے بھی چالیس دن عسقلان میں گزارے اور وہاں درس و تدریس کا اہتمام کیا تھا، یہاں تک کہ محمد بن اسماعیل (کتاب میں ولدیت علی ہوگئی ہے) نے شہر عسقلان کی طرف علمی سفر کیا اور وہاں کے علماء سے حدیث سماعت کی، اور ابوزرعہ الرازی نے بھی اس زمین کی زیارت کی۔ (حوالہ مذکور ص: 88,89 ان صفحات کے صرف بعض علماء کا ذکر ہے جو منتشر تھے)

عہد عباسی میں فلسطین میں علم فقہ بھی عروج پر تھا اس دور میں شافعی مذہب کی کثرت تھی جس کی وجہ امام شافعی کا فلسطینی ہونا ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے پیروکار بھی تھے، جن میں۔''ابو الحسن منصور التميمى (شافعى مسلک) ,ابو الفتح نصر بن ابراهيم (شافعى مسلک)، محمد بن صالح البطيخى (حنفى مسلک) الحسن بن الفرج العزى (مالكى مسلک) وغیرہ کے نام نمایاں ہیں''۔ (حوالہ مذکور 94,95,96 صرف منتشر اسماء کو یکجا کیا گیا ہے) ان علوم کے علاوہ علم کلام، علم بیان (بلاغہ)، ادب، نظم و نثر، تاریخ، جغرافیہ، رحلات، فلسفہ اور منطق وغیرہ کے میدان میں بھی قابل قدر اور نامور شخصیات کو تاریخ نے ضبط کر رکھے ہیں۔

❀❀❀

مشاہدات: | شمیم احمد ندوی

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی عظیم الشان مرکزی لائبریری (2)

عزیزم مولوی محمد عرفان سراجی نے مسجد نبوی میں ملاقات کے دوران مجھے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی سنٹرل لائبریری کی زیارت کا مشورہ دیا تھا اور اس کی کئی منفرد خصوصیات، اسلامی کتب کے شاندار انتخاب، اس کے مثالی نظم ونسق اور جدید آلات وسہولیات سے لیس ہونے کے بارے میں بتا کر میرے سمند شوق کو تازیانہ لگادیا تھا اور مجھے اس کی دید کا مشتاق بنادیا تھا، کیونکہ میں بھی ہر صاحب ذوق اسکالر کی طرح کتابوں اور کتب خانوں کا کسی نہ کسی حد تک شائق ہوں اور اچھی کتابوں کو سب سے بڑا ہدیہ سمجھتا ہوں اور اچھے کتب خانوں کی قدر وقیمت سے واقف ہوں۔

ہر بڑے تعلیمی ادارہ کے لیے اس کے مکتبات نہ صرف اس کے لیے باعث زینت ہوتے ہیں بلکہ اس کی ایک اہم ضرورت ہوتے ہیں لہذا کسی بھی معیاری تعلیمی ادارہ کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ اپنے شایان شان لائبریری کا مالک نہ ہو، جہاں زیر تعلیم طلبہ درسی وغیر درسی کتب سے استفادہ کرسکیں اور اپنے علم میں خاطر خواہ اضافہ کرسکیں۔

یہی وجہ ہے کہ جامعہ اسلامیہ کا قیام جب ۱۳۸۱ھ میں عمل میں آیا اسی وقت ذمہ داران نے اس کے شایان شان ایک عظیم الشان لائبریری کا منصوبہ ترتیب دیا تھا اور بالخصوص ایک ایسی انٹرنیشنل یونیورسٹی کے لیے ایک لائبریری کیا حیثیت رکھتی ہے جہاں چار دانگ عالم سے طالبان علوم نبوت کشاں کشاں حاضر ہوکر اپنی علمی تشنگی بجھا رہے ہوں ایسے مختلف الخیال طلبہ جن کی زبان ووطنیت، کلچر وثقافت اور رنگ ونسل ایک دوسرے سے مختلف ہو اس بات کی اہمیت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ ابتداء میں صرف چند ہزار کتابوں کے ذریعہ ایک مختصر سی عمارت میں کتب خانہ کا افتتاح کردیا گیا، بعد میں طلبہ کے شوق مطالعہ اور ان کی درسی وغیر درسی ضروریات کو دیکھتے ہوئے اس میں مسلسل اضافہ کیا جاتا رہا، لیکن پھر بھی جامعہ اسلامیہ کے قیام کو ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ وہاں پر ایک لائبریری کا افتتاح کیا جاسکے، چنانچہ جامعہ اسلامیہ کی باقاعدہ لائبریری ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء میں اس وقت قائم کی جاسکی جب اس کی ضروری تعمیرات مکمل ہوئیں اور اس کے ہاسٹلز اور فیکلٹیز تعمیر ہوئیں، اور جامعہ اسلامیہ نے اپنے تعلیمی معیار، عقیدہ ومنہج کی پختگی اور اپنے حسن انتظام کی بدولت دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام بنالیا۔

ابتداء میں چند ہزار کتب سے قائم کیا جانے والا کتب خانہ برابر ترقی کرتا رہا، یہاں تک ۱۴۲۷ھ میں وہاں تقریبا چالیس ہزار مختلف موضوعات پر عربی کتابیں جمع ہوئیں ان کے علاوہ پیشہ ورانہ علوم پر کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ اس کی زینت بنا جن میں انجینئرنگ، قانون، میڈیکل سائنس اور کمپیوٹر جیسے عصری موضوعات پر انگریزی میں دو ہزار مجلدات پر مشتمل کتابیں اس کی الماریوں کی زینت بنیں۔

اس وقت اس لائبریری میں ایک لاکھ پچپن ہزار کتابیں مختلف موضوعات اور مختلف زبانوں میں موجود ہیں جن سے طلبہ واساتذہ اور اسکالرس ومحققین یکساں طور پر فائدہ اٹھاسکتے

ہیں، رفتہ رفتہ یہ سنٹرل لائبریری ترقی کرتے کرتے نہ صرف غزہ کے علاقہ کی بلکہ خطہ کی ایک اہم لائبریری بن گئی، جہاں جامعہ کے طلبہ واساتذہ، تحقیقی کام کرنے والے لوگ اور یہاں کے مؤظفین وملازمین اپنے علم ومطالعہ میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ باہر کے لوگوں کی بڑی تعداد بھی مطالعہ میں غرق دیکھی جاسکتی ہے۔

میں اپنے جامعہ سراج العلوم کے معادلہ سے متعلق کاموں سے جب فارغ ہوا تو ظہر کی اذان سے قبل میرے پاس اتنا وقت تھا کہ جامعہ اسلامیہ کا ایک عبوری دورہ کرسکوں میرے ساتھ عزیزم مولوی محمد عرفان سراجی اوران کے ایک ساتھی مولوی رضوان اللہ سراجی رہنمائی کے لیے موجود تھے وہ مجھے جامعہ کی مختلف فیکلٹیز وشعبہ جات کو باہر سے ہی سرسری طور پر دکھاتے ہوئے لے گئے اور جامعہ کی زیر تذکرہ عظیم الشان سنٹرل لائبریری کی پانچ منزلہ بلڈنگ کے سامنے واقع وسیع وعریض پارکنگ میں گاڑی روک دی۔

یہ جدید طرز کی تعمیر شدہ عمارت ایک وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے اور لائبریری کی خاص ضروریات کو دھیان میں رکھتے ہوئے تعمیر کی گئی ہے ،اس کی ہر منزل پر وسیع وعریض ہال اور گیلریاں اور لفٹیں وسیڑھیاں ہیں اس کا کل تعمیر شدہ رقبہ ساڑھے چار ہزار مربع میٹر یعنی تقریبا پچاس ہزار مربع فِٹ ہے اس کی پانچوں منزلوں میں سے ہر منزل ۹۰۰ مربع میٹر پر مشتمل ہے، دورارضی پر ہی مدخل رئیسی یعنی مین گیٹ ہے اس میں طلبہ وطالبات کے داخل ہونے اور آنے جانے کے راستے الگ ہیں ،مطالعہ کے کمرے بھی علیحدہ ہیں اور اختلاط سے محفوظ رکھنے کے تمام انتظامات ہیں اور شرعی ضوابط کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔

ہر منزل پر مختلف موضوعات کی کتابیں خاص ترتیب وسلیقہ سے رکھی ہوئی ہیں اور کتابوں کی تلاش کے لیے مخصوص ضوابط مقرر ہیں، کتابوں کی تلاش کے طریقوں میں بھی جدّت لائی گئی ہے، جن میں کئی ایسے طریقوں کو آزمایا گیا ہے جن کی مدد سے قاری کے لیے کتابوں کی تلاش آسان ہوجاتی ہے، گراؤنڈ فلور پر عربی کی وہ خاص کتب موجود ہیں جن کی متخصص طلبہ اور کلیہ وجامعہ کے مراحل کے طلبہ کو عام طور سے ضرورت پڑتی ہے یعنی ان کی ضرورت کی کتابیں ان کو کسی مشقت کے بغیر دورارضی پر ہی دستیاب ہوجاتی ہیں ان میں تمام علوم ومعارف پر مشتمل علمی، ادبی اور اکاڈمی کتابیں بآسانی حاصل کی جاسکتی ہیں اور اسی طرح اس منزل پر بیشتر وہ کتابیں طلبہ کو مل سکتی ہیں جن کو عاریتاً حاصل کیا جاسکتا ہے، کتابوں کی تلاش کے لیے کئی جدید طرق مستعمل ہیں ،مصنفین کی ترتیب کے حساب سے ،ناشرین کے حساب سے اور ملکوں کے حساب سے مثلاً اگر کسی خاص موضوع پر صرف ہندوستانی مصنفین کی کتابیں درکار ہوں اور کسی خاص زبان عربی اردو یا انگریزی میں ان کی ضرورت ہو تو انھیں بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے، بشرط یہ کہ وہ کتاب وہاں دستیاب ہو، مجھے کتابوں کی تلاش کے یہ کئی متبادل طریقے دوسری لائبریریوں کے مقابلہ میں زیادہ آسان، زیادہ مختلف اور زیادہ جدید لگے۔

وہاں موجود ایک سہولت جس نے مجھے کافی متاثر کیا وہ وہاں علمی وتحقیقی کام کرنے والے لوگوں کے لیے مختلف سائز کے بنے ہوئے کیبن تھے اور کچھ لوگ وہاں موجود علمی وتحقیقی کاموں میں مصروف نظر آئے وہ چھوٹے چھوٹے کیبن ایک مختصر سے داخلی دروازہ کے علاوہ چاروں طرف سے بند ہوا اور ساؤنڈ پروف ہوتے ہیں وہاں لکھنے پڑھنے نوٹ تیار کرنے اور ضروری معلومات قلم بند کرنے کی ساری سہولیات میسر ہوتی ہیں، وہاں کا ماحول انتہائی پرسکون اور ہر طرح کے بیرونی شوروغوغا سے پاک ہوتا ہے، اس

لیے وہاں بیٹھنے والا دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتا ہے، اس کو ضروری ماخذ اور کتابیں بآسانی دستیاب ہوجاتی ہیں بلکہ ایک کلک پر حاصل ہوجاتی ہیں ،وہ اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی مدد سے اپنی مفید اور مطلب کی کتابیں بلا وقت ضائع کیے منٹوں میں حاصل کرسکتا ہے جب کہ اپنے سامنے موجود شیلفوں میں ضروری کتابیں خود بھی جمع کرسکتا ہے جن کی اسے اپنے موضوع پر تحقیقی کام کے دوران ضرورت پڑسکتی ہے، اس طرح اسے خاص طرح کا علمی وتحقیقی وتصنیفی ماحول ملتا ہے جو کہیں اور نہیں مل سکتا، نہ کسی مدرسہ میں اور نہ اپنے گھر پر، اور یہ وہ ماحول اور اس کتب خانہ میں مہیا وہ سہولیات ہی ہیں جو اسکالرس ومحققین کو تخلیقی وتحقیقی کاموں پر آمادہ کرتی ہیں اور ان کا کام آسان بنادیتی ہیں، بلکہ ایک اکتادینے والے اور ذہن ودماغ کو تھکا دینے والے عمل کو ایک دلچسپ مشغلہ میں تبدیل کردیتی ہے اور یہی علمی ماحول بڑے بڑے مصنفین کو وباحثین کو پیدا کرتا ہے۔

وہاں کتابوں کی حفاظت کا بہت ہی محفوظ ومضبوط انتظام ہے، چوری وسرقہ سے بھی دیمک وکتابی کیڑوں سے بھی، نئی تکنیک سے بنی ہوئی مضبوط آہنی الماریوں سے لے کر وہاں موجود تمام فرنیچر تک میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان سے کتابوں کو نقصان نہ پہنچے، پھر جراثیم کش ادویہ کے چھڑکاؤ کا باقاعدگی سے اہتمام کیا جاتا ہے، زائرین کے لیے ہال کے مرکز میں بیٹھنے کے لیے جابجا گروپ کی شکل میں آرام دہ صوفے پڑے ہوئے ہیں اور سامنے مطالعہ کرنے کے لیے کشادہ میزیں جن پر کچھ کتابیں بے ترتیب رکھی ہوئی تھیں جن سے لگتا تھا کہ ابھی ابھی کچھ لوگ مطالعہ کرتے کرتے اٹھ کر گئے ہیں میں بھی اپنے رفقاء ومیزبانوں کے ساتھ وہاں کچھ دیر ستانے کے لیے بیٹھ گیا اور میزوں پر موجود کتابوں کی ورق گردانی کی۔

کتب خانہ کے لیے حفاظتی اقدامات میں کسی بھی ناگہانی حادثہ بالخصوص آتش زدگی سے اس کی حفاظت کی تدابیر زیادہ اہم ہیں کیونکہ یہاں موجود کتابیں اور متعلقہ سامان بہت قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ ساری چیزیں بہت جلد آگ پکڑسکتی ہیں جن سے نہ صرف یہ تمام سرمایہ جل کر راکھ ہوسکتا ہے بلکہ ان انسانی جانوں کو بھی خطرات لاحق ہوسکتے ہیں جو اس وقت یہاں موجود ہوتے ہیں جن میں کتب خانہ کا عملہ اور اس وقت وہاں محو مطالعہ قارئین باحثین ہوتے ہیں، اسی لیے آگ سے حفاظت کے لیے کئی آزمودہ وجدید تدابیر اپنائی جاتی ہیں، جن میں آگ فرو کرنے والی گیس، آگ بجھانے والی پانی کی پائپ لائنیں، جابجا پانی کی بوچھار کرنے والے فوارے، آگ اور دھویں کی خبر دینے والے الارم جو مختلف ہالوں، راہ داریوں اور دفاتر میں نصب ہوتے ہیں ساتھ ہی آگ کے مقام کی تعیین کرنے والے آلات جن سے آگ بجھانے اور اپنی جانیں بچانے میں مدد لی جاسکتی ہے ،عام طور سے عمارتوں میں بجلی کے شارٹ سرکٹ سے آگ لگتی ہیں، یہاں اس پر بھی کافی توجہ دی گئی ہے اور شارٹ سرکٹ سے بچاؤ کے لیے حفاظتی تدابیر اپنائی گئی ہیں۔

عمارت کی دوسری منزل مراجع کی کتابوں کے لیے مخصوص ہے اس میں دو بڑے ہال ہیں جن میں ایک طلبہ کے لیے اور دوسرا طالبات کے لیے خاص ہے اس میں عربی زبان میں درکار اہم معلومات پر مشتمل تمام طرح کی کتابیں موجود ہیں مثلاً کئی اجزاء پر مشتمل مولفات، علمی بحثیں، اٹلس وجغرافیائی نقشے اور عربی زبان کے معاجم وڈکشنریاں یہ کتابیں چونکہ اہم اور قیمتی ہوتی ہیں اس لیے ان کی حفاظت کے خصوصی اہتمام کے مدنظر انھیں عاریتاً نہیں دیا جاتا ہے البتہ طلبہ وطالبات دونوں کو ان کتابوں کی فوٹو لینے کی اجازت ہوتی ہے بلکہ ان دونوں حصوں

میں فوٹو کاپی کی مفت سہولیات فراہم کی جاتی ہیں اوراس کے علاوہ کتب خانہ کے دیگر حصوں میں بھی کتابوں کی تصویر کے لیے جدید وخود کار فوٹو مشینیں نصب ہیں جن سے مطالعہ کرنے والے تمام لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ضروری معلومات کو محفوظ کر سکتے ہیں جب کہ طلبہ وطالبات کے لیے خصوصی طور پر ایک کمرہ جس میں جدید فوٹو کاپی مشینیں لگی ہیں جن کی مدد سے طلبہ وطالبات اپنی ضرورت کی معلومات کو کاغذات پر محفوظ کر سکتے ہیں۔

تیسری منزل انگریزی کی کتابوں کے لیے خاص ہے اور یہ بھی لائبریری کے اہم سیکشن میں شمار کی جاتی ہے جس میں انگریزی زبان میں مختلف علوم ومعارف کی کتابیں موجود ہیں اور انسانی علوم وفنون پر مشتمل علمی وادبی اور اکاڈمی کتابیں وافر تعداد میں جمع کی گئی ہیں اسی طرح انگریزی زبان کی وہ کتابیں بھی یہاں موجود ہیں جنھیں اس زبان میں مراجع کی حیثیت حاصل ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کو جن کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اس دور کی کتابوں کو عاریتاً بھی حاصل کیا جاسکتا ہے سوائے مراجع کی کتابوں کے اسی منزل پر وہ علمی رسائل وبحوث بھی موجود ہیں، جنھیں پی.ایچ.ڈی.وایم.اے. کے اسکالرس تحریر کر کے ڈگریاں حاصل کرتے ہیں، یہ علمی بحوث عربی وانگریزی دونوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔

چوتھے فلور پر دو مرکزی ہال ہیں جن میں سے استفادہ ومطالعہ کے لیے ایک ہال طلبہ کے لیے مخصوص ہے اور دوسرا طالبات کے لیے، اس فلور کی اہمیت وخصوصیت یہ ہے کہ یہاں احادیث نبویہ کی تمام اہم کتابوں کو جمع کر دیا گیا ہے جن میں صحاح، مسانید اور معاجم کی کتابوں کے علاوہ فن اسماء الرجال سے متعلق اہم فنی کتب کا ایک مہتم بالشان ذخیرہ موجود ہے، تخریج احادیث کے شائقین اور اس موضوع پر کام کرنے والے لوگوں کے لیے یہ حصہ کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے، کلیۃ الحدیث کے طلبہ وطالبات اور فن حدیث پر تحقیقی کام کرنے والے باحثین کے لیے اس حصہ میں کافی کشش ہے۔

جامعہ اسلامیہ میں حدیث کی تعلیم کو جو خاص اہمیت حاصل ہے، اس کے پیش نظر کتب خانہ کا یہ حصہ بھی کافی اہم ہو جاتا ہے اسی لیے مکتبہ کے منتظمین نے اس حصہ کے لیے ایک پورا فلور مختص کیا ہے جب کہ اسی حصہ میں مکتبہ کے مدیر، اس کے سکریٹری اور مستفیدین کو خدمات فراہم کرنے والے ادارہ کے رئیس کے دفاتر بھی ہیں، اسی کے ایک گوشہ میں فنی معلومات واجراءات کا شعبہ بھی ہے جس کا کام تمام معلومات کو فنی اعتبار سے محفوظ کرنا اور مستفیدین کے لیے انھیں تیار کرنا ہے۔

اس کتب خانہ سے استفادہ کرنے والے طلبہ واساتذہ وموظفین اور باہر سے آنے والے اسکالرس اور صرف زیارت کی غرض سے آنے والے مہمانوں کی خدمت کے لیے مستعد وذمہ دار اور فرض شناس کارکنان کا ایک عملہ موجود ہے جو ضرورت مندوں کو ہر طرح کی خدمات بہت ہی اخلاق کے ساتھ فراہم کرتا ہے جس کا مجھے ذاتی تجربہ بھی ہوا، میں اپنے میزبانوں کے ساتھ اس لائبریری کے سب سے اہم اور قیمتی سیکشن میں پہنچا جہاں ایک ہال کے دروازہ پر نوانٹری کا بورڈ لگا ہوا تھا جس کے بارے میں ہمارے ان میزبانوں نے بتایا تھا کہ یہ مخطوطات کا سیکشن ہے اور اس میں بہت ہی اہم وقیمتی مخطوطات موجود ہیں جن کی تعداد دس ہزار ہے، حفاظت کی غرض سے اس میں ہرکس وناکس کو داخلہ کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن وہاں موجود موظف نے جو ایک کیبین میں اپنے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھے کچھ کام کر رہے تھے بند دروازہ کے سامنے ہمیں کھڑے دیکھ کر ہمارے چہروں پر تحریر ہماری مایوسی کو پڑھ لیا اور ہمارے اشتیاق کو بھانپ لیا تو فوراً

اپنی ٹیبل سے اٹھ کرآئے، ان طلبہ نے مہمان زائر کی حیثیت سے میرا تعارف کرایا، میں نے اپنا وزٹینگ کارڈ دیا تو انھوں نے فوراً نہ صرف ہمیں اہلاً وسہلاً کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا بلکہ اس سیکشن سے متعلق انتہائی قیمتی معلومات فراہم کی ،جن کا حصول ان کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا، انھوں نے بتایا کہ یہاں اس سیکشن میں دس ہزار نادرونایاب مخطوطات ہیں جن میں بعض کا شمار قیمتی نوادرات میں ہوتا ہے اوران کی اہم تاریخی حیثیت ہے، میرے دریافت کرنے پر کہ ان ورقی نوادرات کی حفاظت کیوں کرممکن ہے جب کہ کاغذات امتدادزمانہ کے ساتھ بالیدگی کا شکارہوکرخراب وخستہ ہوجاتے ہیں، واضح ہوکہ ان میں بیشتر سینکڑوں سال جب کہ بعض ہزاروں سال پرانے مخطوطات تھے، انھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ ان کی حفاظت کے طریقوں کو بتایااور مشاہدہ کرایا کہ کس طرح انھیں گردوغباراور ہواؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے شیشہ کے مضبوط شوکیسوں میں رکھاجاتا ہے اوران کی باہر سے اورفاصلہ سے زیارت کی جاسکتی ہے ہاتھ نہیں لگایاجاسکتا جس سے ان کے خراب ہونے کااندیشہ ہوتا ہے پھران کومحفوظ رکھنے کے لیے کیمکلس کا بھی استعمال ہوتا ہے، ان مخطوطات میں سے بھی جن کی تاریخی حیثیت ہوتی ہے اور جو بہت قیمتی ہوتے ہیں ان کوالگ کمرہ میں انتہائی نگہداشت میں رکھاجاتا ہے ،انھیں تاریخی مخطوط اورقیمتی نوادرات میں مصحف عثمانی کا ایک اصلی نسخہ تھا،جس کی انھوں نے بطورخاص زیارت کرائی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان سات مصاحف میں سے ایک ہے جنھیں خلیفۂ ثالث نے اپنے دورخلافت میں بہت اہتمام کے ساتھ لکھوالیا تھا اور اسلامی بلادوامصار میں سے مختلف شہروں میں بھجوایا تھا، جن میں قاہرہ ،دمشق، بصرہ، بغداد اورمدینہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، ہماری رہنمائی کے لیے مستعدان کارکن نے بتایا کہ اس مصحف کوسعودی حکومت نے شاہ فہدابن عبدالعزیز کی خصوصی توجہ سے برطانیہ کے برٹش میوزیم سے حاصل کیا تھا، اوراس کے لئے ۲۵ملین ریال کی خطیررقم کی ادائیگی کی گئی تھی، میں نے اس سے چندسال قبل مسجدنبوی کی لائبریری میں جوبالائی منزل پرواقع ہے اسی طرح کاایک مصحف عثمانی کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی نسخہ ہے یا دوسرا ہے لیکن مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس وقت مجھے بتایا گیا تھا کہ اسے ایشیائی روس کی راجدھانی تاشقند (جوکبھی اسلامی قلمرو کاحصہ تھا) سے بھاری ہدیہ پرحاصل کیا گیا تھا، واللہ اعلم۔

ہمارے میزبان نے یہ بھی بتایا کہ کبھی اگر یہ کتابیں وقت کی دستبردکی شکارہوجائیں یعنی امتداد زمانہ کے ساتھ خراب وخستہ ہوجائیں تو بھی اس قیمتی اثاثہ کے ضائع ہونے کااندیشہ نہیں کیوں کہ ہماری لائبریری نے ان کومحفوظ رکھنے کے لئے جدیدٹکنالوجی کااستعمال کرتے ہوئے ان کی مائکروفلم بنائی ہے،اس طرح اس لائبریری میں دس ہزار مائکروفلم ترتیب وسلیقہ سے رکھی ہوئی ہیں کہ اگرکوئی قدردان شخص ان کودیکھنا چاہے توفلم کونکال کراس کتاب کے ہرصفحہ کواسکرین پر دیکھ سکتا ہے ان فلموں کا نکالنا بھی آسان ہے اوران کواپنی مرضی سے دیکھنا بھی آسان ہے، ہمارے میزبان محترم اس طرح کی بعض کتابیں ہمیں دکھائیں جنھیں مائکروفلم کی مدد سے پڑھنا آسان معلوم ہوااورایک ایک صفحہ بلکہ ایک ایک سطرواضح ہوتی چلی گئی۔

اس عظیم الشان لائبریری نے قدیم وجدیدطریقوں کااستعمال کرتے ہوئے اورجدیدٹکنالوجی کوبروئے کارلاتے ہوئے یہ ثابت کردیا کہ وہ نہ صرف باذوق وتجربہ کارلوگوں کے ہاتھوں میں ہے بلکہ اسلامی علوم وفنون پرمشتمل کتابوں کی یہاں

صحیح معنی میں سرپرستی ہوتی ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حکومت سعودیہ نے اس پر اپنے بہترین وسائل کا استعمال کیا ہے اور بے دریغ رقم خرچ کی ہے، ہم نے ظہر کا وقت قریب آنے پر واپسی کا ارادہ کیا تو وہ ہم کو اپنے اس کیبین میں لے کر گئے جہاں ہماری آمد سے کچھ دیر قبل بیٹھے ہوئے وہ کچھ کام کررہے تھے وہاں انھوں نے ہمیں ایک جدید ٹکنالوجی کا جیتا جاگتا شاہکار نمونہ دکھایا یہ ایک انتہائی جدید مشین تھی جو شاید ابھی دنیا میں عام نہیں ہوئی بلکہ جدید طرز کی لائبریریوں میں بھی داخل نہیں ہوئی ہے اس جدید ایجاد کا تعلق بھی مخطوطات کے شعبہ سے تھا اسی لیے وہ ہمارے ان گائیڈ اور وقتی میزبان کی تحویل میں تھی، اس مشین کا کام یہ تھا کہ چونکہ مخطوطات کی تحریریں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماند پڑتی رہتی ہیں کہیں روشنائی کی چمک دھندلی ہوکر پڑھنے کے قابل نہیں رہ جاتیں، کہیں کاغذی اوراق خستہ وپارینہ ہوجاتے ہیں اور کبھی پانی وغیرہ گرجانے یا برسات کھاجانے سے روشنائی کچھ پھیل جاتی ہے جس سے عبارتوں کا پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے، یہ حیرت انگیز مشین ان مٹی ہوئی تحریروں کو ازسرنو اپنی اصلی حالت میں لے آتی ہے اور وہ صاف وواضح ہوجاتی ہیں، مجھے ان کی بات پر یقین نہیں آیا کہ ایسا کیوں کر ممکن ہے تو انھوں نے ایک ایسے صفحہ پر مشین کا کیمرہ فوکس کیا جس کا کوئی حصہ بلکہ ایک لفظ پڑھا نہیں جارہا تھا لیکن ہم نے دیکھا کہ مشین کے اسکرین پر وہ صفحہ روشن وواضح ہوگیا اور بآسانی پڑھنے کے قابل ہوگیا دو تین صفحات انھوں نے اور اس طرح دکھائے اور ہماری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ ۷۰ سے ۷۵ فیصد تحریریں اس طرح یہ مشین مقروء (پڑھنے کے قابل) بنادیتی ہے، اس محیر العقول مشین کی قیمت انھوں نے ۳۵ لاکھ ریال بتائی، ہمارے منہ سے اس حیرت انگیز ایجاد پر اور اس مشین کی کارکردگی دیکھ کر بے ساختہ سبحان اللہ نکلا اور ہمارا مجموعی تاثر یہ تھا کہ اس عظیم الشان لائبریری نے جہاں پرانی دیمک زدہ اہم کتابوں کی بھی قدر کی ہے اور اپنے اسلاف کی روایات کی حفاظت کی ہے وہیں جدید خودکار مشینوں کا استعمال کرکے نئی ٹکنالوجی سے بھی بھرپور مدد لی ہے۔

اس کتب خانہ کا ایک اہم حصہ وہ تھا جہاں محدث عصر، علامہ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء کتابیں اور ان کی گراں قدر تالیفات بڑے اہتمام کے ساتھ سجائی گئی ہیں بلکہ علامہ البانی رحمہ اللہ کا پورا ذاتی کتب خانہ اس عظیم الشان لائبریری کی زینت ہے اور ان کی وہ وصیت بھی خوبصورت فریم میں آویزاں ہے جس میں انھوں نے اپنی وفات کے بعد اپنا ذاتی کتب خانہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو عنایت کیے جانے کا ذکر کیا ہے، تاکہ ان کی زندگی بھر کی جمع پونجی اور ان کی حیات مستعار کے سب سے بڑے سرمایہ سے علم کے قدردان فائدہ اٹھاسکیں، ان کو یقیناً یہ معلوم رہا ہوگا کہ ہمارے اس علمی ورثہ کی حفاظت جس بہتر انداز میں جامعہ اسلامیہ کرسکتا ہے اس سے بہتر ان کی حفاظت ان کے نسبی ورثاء سے ممکن نہیں، جامعہ اسلامیہ کی اس عظیم لائبریری نے ان کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر اور ان کی توقعات کو پورا کیا ہے۔

اس عظیم الشان لائبریری کو دنیا کی اہم کتابوں سے آراستہ کرنے، قیمتی مخطوطات کو اس کی زینت بنانے اور قارئین وباحثین اور طلبہ کے لیے اسے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنانے میں جہاں یونیورسٹی انتظامیہ اور حکومت سعودیہ نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا ہے وہیں اس کے ذمہ دار و تجربہ کار اسٹاف

اورفن لائبریری کے متخصصین وماہرین کی کوششوں کا بھی بڑا دخل ہے جنھوں نے ہرگزرتے وقت کے ساتھ اسے خوب سے خوب تر بنانے میں شبانہ روز محنت کی ہے اور اپنے علم وتجربہ کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔

کسی بھی تعلیمی ادارے اورکالج ویونیورسٹی کے زیرانتظام چلنے والی لائبریریوں میں وہاں بیٹھ کر مطالعہ کرنے کی سہولیات کے ساتھ ساتھ طلبہ کوعاریتاً وقتی طور پر کتابیں دینے کا بھی نظام ہوتا ہے یہاں بھی یہ نظام زیادہ ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے اورکتابوں کے حصول اورواپسی کا طریقہ قدرے مختلف اورزیادہ محفوظ ہے، جس میں وہاں کے طلباء وطالبات کے لیے مختلف مراحل کے حساب سے کتابیں ایک ہفتہ سے ایک ماہ تک اپنی تحویل میں رکھنے کا ضابطہ ہے یعنی معہد، کلیہ، ماجستر اورد کتورہ کے طلبہ کے لیے جن کی ضروریات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں کتابوں کوعاریتاً رکھنے کے لیے الگ الگ طریقہ کارہے، اسی طرح اساتذہ وموظفین اور باحثین (اسکالرس) اورتحقیقی کام کرنے والوں کونسبتاً زیادہ دنوں تک کتابیں اپنے پاس رکھنے کا حق دیا گیا ہے، ان سب کے لیے ایک تفصیلی نظام ہے کہ کون کون سی کتابیں، کس تعداد میں کتابیں اورکس مرحلہ کے طلبہ یااساتذہ کو کتنے دنوں تک اپنے پاس رکھنے کا حق ہے طوالت کے خوف سے یہ تفصیلات ترک کی جاتی ہیں،مقررہ ایام سے تاخیر کی صورت میں یومیہ نصف ریال جرمانہ کا بھی التزام ہے،کبھی ہفتہ واری چھٹی یاہنگامی چھٹی کوطلبہ کتابوں کے ناواپس کرنے کے لیے عذر یابہانہ کے طور پر استعمال کرتے تھے،لیکن اب ایک اورجدید نظام متعارف کراکے طلبہ (جوعموماً بہانہ باز ہوتے ہیں) کے لئے یہ عذر بھی ختم کردیا ہے یعنی طلبہ کسی بھی وقت خواہ دوام (کام کے اوقات وایام) ہو یانہ ہو کتابیں لائبریری کوواپس کرسکتے ہیں اس کے لئے باہر ہی ایسے جنگلے وروزن بنے ہوئے ہیں جن میں کتابیں داخل کردی جاتیں ہیں اورکمپیوٹر کے ذریعہ کچھ کوڈ وغیرہ کے استعمال کے بعدوہ کتابیں خودکارطریقہ سے طالب علم یاان کتابوں کوعاریتاً حاصل کرنے والے کے نام سے جمع ہوجاتی ہیں، اس لیے کتابوں کی تاریخ ووقت سے واپسی کے لیے اب ان کے مستفیدین کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

بہرحال جامعہ اسلامیہ کی مرکزی لائبریری کی پرشکوہ وعظیم الشان بلڈنگ، وہاں موجود کتابوں کا بیش قیمت ذخیرہ، مخطوطات ونوادرات کی حفاظت کا غیر معمولی اہتمام، جدید وخودکار مشینیں،وہاں کا علم دوست صاف ستھرا ماحول، محققین وباحثین اور ریسرچ اسکالرس کے لیے پرکشش سہولیات اورانتہائی مستعد وچاق وچوبند اورتربیت یافتہ عملہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے علم وتحقیق کے شائقین اورملک وبیرون ملک کے زائرین کے لیے اس عظیم الشان لائبریری میں کافی کشش پیدا کردی ہے زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ کی صدا بلند ہوتی ہے، ہمارے پاس وقت تنگ تھا میری دلی خواہش نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا کرنے کی تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے نماز کے لیے روانہ ہوا، ورنہ جی چاہتا تھا کہ اس لائبریری کی دید سے ابھی مزید آنکھیں ٹھنڈی کی جائیں اوراپنی معلومات میں اضافہ کیا جائے۔

اللہ سے دعا ہے کہ جامعہ اسلامیہ کے قائمین اورعلوم دینیہ کی سرپرستی کرنے والی حکومت سعودیہ کوشادوآباد رکھے اور اسے حاسدین کے شر سے محفوظ رکھے۔(آمین)

❁❁❁

جماعت وجامعہ ادارہ

جامعہ کے روز وشب

اللہ رب العالمین کا بے پایاں فضل وکرم اور شکر واحسان کہ اس نے جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر کے موقر ذمہ داران وکارکنان اور اساتذۂ کرام کو اس بات کی توفیق بخشی کہ وہ انتہائی نامساعد حالات اور عالمی وبا کورونا میں شدت اختیار کرنے اور تالا بندی میں غیر معمولی توسیع کے باوجود سال گذشتہ کی طرح سال رواں میں بھی آن لائن تعلیمی سلسلہ کو پوری کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے میں کامیاب ہوسکے، **فلله الحمد علی ذلک۔**

تعلیمی سلسلہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے محترم ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ نے اساتذۂ کرام کے ساتھ کئی میٹنگیں کیں اور آپس میں تبادلۂ خیالات کیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تعلیمی سلسلہ کی پہلی میٹنگ:

سال گذشتہ آن لائن تعلیمی سلسلہ کس حد تک کامیاب رہا اور اس کے مثبت ومنفی نتائج پر غور کرنے نیز اس سلسلہ کو مکمل طور سے کامیاب بنانے، پیش آمدہ مسائل ومشکلات کے حل کے لیے اور اس کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے بتاریخ ۱۹؍مئی ۲۰۲۱ء بوقت ۹؍بجے شب محترم ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ کی صدارت میں ایک ورچوئل میٹنگ منعقد کی گئی، جس میں شعبۂ عربی کے تمام اساتذۂ کرام نے سرگرم شرکت کی اور آن لائن تعلیم کے مثبت ومنفی نتائج کا جائزہ لیا اس کے بعد باتفاق رائے یہ طے پایا کہ آن لائن تعلیمی سلسلہ بے حد مفید ہے اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے طلبہ کے داخلہ سے متعلق اعلان شائع کردیا جائے، اس میٹنگ کا دورانیہ تقریباً ایک گھنٹہ تیس منٹ تھا۔

تعلیمی سلسلہ کی دوسری میٹنگ:

پہلی میٹنگ کے تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ۲۵؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعرات بوقت نو بجے شب دوسری آن لائن میٹنگ منعقد ہوئی، اس میٹنگ کی صدارت محترم شیخ الجامعہ مولانا خورشید احمد سلفی حفظہ اللہ نے کی اور نظامت کے فرائض برادر فاضل ڈاکٹر عبد الغنی القوفی صاحب نے انجام دیے، اس میٹنگ میں طلبہ کے جدید داخلوں کے طریقۂ کار اور قدیم طلبہ کے اندراج واخراج اور ایک یا اس سے زائد کتابوں میں فیل ہونے والے طلبہ کے معاملات پر غور وخوض کیا گیا اس میٹنگ کا دورانیہ دو گھنٹہ تھا۔

اساتذۂ شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم کی میٹنگ:

داخلہ کی کارروائی مکمل ہونے بعد اعلان کے مطابق ۱۸؍جون ۲۰۲۱ء بروز سنیچر سے شعبۂ عربی میں آن لائن تدریس کا آغاز ہوگیا، الحمد للہ اس سلسلہ میں سال گذشتہ کے تجربات سے استفادہ کیا گیا، طلبہ کا شوق اور حاضری کا تناسب گذشتہ

سال کے بالمقابل نہ صرف یہ کہ قابل اطمینان ہے بلکہ قابل مسرت ہے۔

اس تجربہ سے ذمہ داران جامعہ بالخصوص ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ کو تحریک ملی اورانھوں نے اس طریقۂ تعلیم سے شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم کو بھی جوڑنے کا عزم پیش فرمایا اور شعبۂ حفظ کے اساتذہ کو اپنے جذبات سے آگاہ کیا اور انھیں جامعہ میں حاضر ہونے کی دعوت پیش کی تاکہ بالمشافہہ گفتگو کرکے اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جاسکے، چنانچہ ۲۸/جون ۲۰۲۱ء بروزسوم بوقت بعدنمازعصر ناظم جامعہ حفظہ اللہ کی صدارت میں دفتر نظامت میں جامعہ کے ذمہ دار اساتذہ کے ساتھ شعبۂ حفظ کے اساتذہ کی میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں سارے لوگوں نے ناظم جامعہ کی اس تجویز کو سراہا اور اس کے بعد طلبہ کے داخلہ سے متعلق امور پر غور کیا گیا اور ان کے داخلہ کی ذمہ داری شعبۂ حفظ کے اساتذہ کے سپرد کی گئی۔

جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر نیپال میں نئے تعلیمی سال کی پہلی باضابطہ میٹنگ:

اس میٹنگ کی رپورٹ محترم ناظم جامعہ حفظہ اللہ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا اسی کو من وعن پیش کیا جارہا ہے:

جامعہ میں قدیم وجدید طلبہ کے داخلوں کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد آن لائن تعلیم وتدریس کا سلسلہ پورے جوش وخروش اور آب وتاب کے ساتھ شروع ہوچکا ہے، اس نئے طریقہ تدریس سے جہاں طلبہ اور ان کے سرپرست مطمئن ہیں وہیں اساتذہ بھی فرحت وانبساط کے ساتھ اس سلسلہ کو کامیاب بنانے کے لیے کوشاں وفکرمند ہیں فللہ الحمد علی ذلک۔

جامعہ میں یوں تو اساتذہ کی ورچوئل میٹنگیں ہوچکی ہیں اور سارے کام نظم وضبط اور باہمی صلاح ومشورہ کے ساتھ انجام پارہے ہیں لیکن آج بتاریخ 29 جون بروز منگل مجھ بے بضاعت کے زیر صدارت جامعہ قدیم کے آفس میں اساتذہ جامعہ کی ایک باضابطہ طور سے آف لائن میٹنگ منعقد ہوئی جس میں بیشتر اساتذہ ذوق وشوق سے شریک ہوئے، صرف وہی اساتذہ شرکت وحاضری سے قاصر رہے جن کے پاس کوئی معقول عذر تھا۔

ان شرکاء مجلس میں بالخصوص شیخ الجامعہ مولانا خورشید احمد سلفی، وکیل الجامعہ ڈاکٹر عبد الغنی القوفی، مدیر الامتحانات ومسئول اسناد مولانا عبدالرشید مدنی، نائب مسئول اسناد مولانا شفیع اللہ مدنی، عمید شئون الطلاب مولانا محمد اسلم مدنی، مشرف انجمن مولانا قمرالدین ریاضی، استاذ شعبہ عربی مولانا انیس الرحمٰن مدنی، استاذ جامعہ مولانا شرافت حسین سلفی، معاون مدیر ماہنامہ مجلّہ ''السراج'' مولانا سعود اختر عبدالمنان سلفی، استاذ حفظ وقرأت شعبہ عربی حافظ عرفان نعمانی ودیگر مؤقر اساتذہ شریک مجلس رہے، اس مجلس میں زیر بحث ایجنڈا کی تمام دفعات پر تقریباً سبھی شرکاء نے حسب توفیق اپنی آراء کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر عبدالغنی القوفی نے آن لائن تعلیم کے فوائد کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ تربیتی ناحیہ سے اپنے کچھ خدشات کا اظہار کیا کہ چونکہ طلبہ اپنے روز وشب کے اوقات میں اساتذہ کی نظروں کے سامنے نہیں ہوتے اور استاد ان کی روزمرہ کی سرگرمیوں سے واقف نہیں ہوپاتا اس لیے ان کی تربیت میں نقص رہ جانا عین ممکن ہے، اس خدشہ کو میٹنگ میں

توجہ دی گئی اور اس کے حتی الامکان حل پر غور کیا گیا جن میں سے ان کے سرپرستوں سے رابطہ کر کے انہیں اس طرف متوجہ کرانا ضروری ومناسب قرار دیا گیا، کہ وہ خود اپنے بچوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھتے ہوئے ان کی اخلاقی تربیت کی فکر کریں ساتھ ہی اساتذہ کو پابند کیا گیا کہ وہ طلبہ کو نماز وغیرہ کی پابندی کی طرف متوجہ کیا کریں کہ شریعت کی مکمل پابندی ہماری تعلیم کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے۔

مولانا خورشید احمد سلفی نے اس طریقہ تدریس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے مزید بہتر اور مفید تر بنانے پر زور دیا اور اس کے لئے تجاویز پیش کیں۔

مولانا عبدالرشید مدنی نے طلبہ کی آن لائن حاضری کو یقینی بنانے اور اسے کم از کم اسّی نوے فیصد تک پہنچانے پر زور دیا اور امتحان سالانہ میں ستر فیصد حاضری کے نظام کو آن لائن تعلیم پر بھی نافذ کرنے کی یقین دہانی کرائی، اور انھوں نے اور دیگر اساتذہ نے اس کے لیے مناسب اور قابل عمل تجاویز پیش کیں۔

میٹنگ دو گھنٹہ سے زائد وقت تک چلی جس میں تقریبا تمام اساتذہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی قیمتی تجاویز اور آراء سے نوازا۔

میٹنگ میں ماہنامہ ''السراج'' کو ازسرنو پابندی وقت کے ساتھ شائع کرنے کے لیے ضروری تجاویز پر غور کیا گیا جس میں کرونا اور لاک ڈاؤن کے ساتھ مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ کی ناگہانی وفات کے بعد سے خلل پیدا ہو چکا ہے، یہ جامعہ کا ترجمان ہے اور اس کو اسی آن بان کے ساتھ شائع ہونا چاہیے۔

مدرسہ کی مالیات کو مضبوطی فراہم کرنے اور طلبہ پر عائد فیسوں کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لیے بھی ضروری تجاویز پر غور ہوا۔

واضح ہو کہ ملک وبیرون ملک لاک ڈاؤن ہونے، آمدورفت کی سہولیات محدود ومسدود ہونے، معاونین کے کاروبار کے خسارہ سے دوچار ہونے اور دیگر کئی ناگزیر اسباب کی بنا پر تمام مدارس میں آمدنی کے ذرائع بند ہیں، جامعہ سراج العلوم بھی اسی سماج کا حصہ ہے اس کے باوجود اس کے ذمہ داران وکارکنان اور اس کے اساتذہ نے پوری ہمت وحوصلہ اور دل جمعی کے ساتھ جامعہ میں تعلیمی وتدریسی سلسلہ کو سابقہ معیار کے مطابق جاری رکھا ہے جبکہ ہند ونیپال کے بیشتر مدارس اس کی ہمت نہیں جٹا سکے اور گذشتہ پورا تعلیمی سال پس وپیش کی نذر ہو گیا یہ نونہالان ملت اور طالبان علوم نبوت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق دی کہ ہم اپنے جامعہ میں زیر تعلیم بچوں کو اس خسارہ عظیم سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے، اور ان کے مستقبل کی امکان بھر فکر کی۔

آگے بھی ہم اسی رب جلیل سے توفیق طلب کرتے ہیں کہ ہمارے حوصلوں کو مضبوط کرے اور ہمارے تعلیمی مشن کو کامیاب بنانے میں ہمیں مدد ونصرت سے نوازے اور جامعہ کو حاسدین کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

❁❁❁

نظم

بعنوان "عزم مردِ مومن"

ترانہ حمد کا لب پہ سدا سجانا ہے
فقط کریم کے در پر ہی سر جھکانا ہے

ظلامِ جہل وضلالت بڑا مہیب سا ہے
چراغِ علم جلا کر اسے مٹانا ہے

بتانِ رنگ ونسل توڑدو مسلمانو!
بنائے بغض وحسد بھی تمہیں گرانا ہے

زمانہ پاک رہے خوف اور دہشت سے
امان وامن کا روشن دیا جلانا ہے

ستم زدہ جو بہت سہمے سہمے رہتے ہیں
لبوں پہ ان کے تبسم کا گل کھلانا ہے

غرور وکبر کا فرعون سر اٹھائے ہے
ہم آؤ عہد کریں، اس کا سر جھکانا ہے

فریب خوردہ جو انسان گمرہی میں ہیں
رہِ نجات یقیناً انہیں دکھانا ہے

بشر کے قلب ونظر کو جو شاد کام کریں
وہ قصے عہد کہن کے اسے سنانا ہے

عروج تیرا مقدر اسی اصول میں ہے
زمانہ کہتا ہے جس کو بہت پرانا ہے

مدد کے واسطے غیروں کو کیوں پکاریں ہم؟
ہمارے لب پہ تو توحید کا ترانہ ہے

خراب خود ہیں مگر لوگ کہتے رہتے ہیں
خراب وقت ہے، بگڑا ہوا زمانہ ہے

خلاف کتنے ہوں حالات پھر بھی اے مومن!
دعا سے اپنے موافق انہیں بنانا ہے

MONTHLY **AL-SIRAJ**

जि.प्र.का.द.नं. २४/०७४/७५
जि.ह.का.द.नं. ०५

Publisher: JAMIA SIRAJUL ULOOM AL-SALAFIAH

JHANDA NAGAR, P.O. KRISHNA NAGAR, DISTT. KAPILVASTU, NEPAL

Ph.: 00977-76-520128/520582- E-Mail:jamianp@gmail.com-jamianp@yahoo.com

Jamia New Website: http://jsirajululoom.com

April, May, June - 2021

دردمندانہ اپیل

اللہ رب العالمین کا بے پایاں فضل وکرم اور شکر واحسان کہ اس نے جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر کے ذمہ داران وکارکنان واساتذہ کواس بات کی توفیق بخشی کہ وہ انتہائی نامساعد حالات اور عالمی وبا ''کورونا'' میں شدت اختیار کرنے اور تالا بندی میں غیر معمولی توسیع کے باوجود سال گذشتہ کی طرح سال رواں میں بھی آن لائن تعلیمی سلسلہ کو اول وہلہ میں پوری کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے میں کامیاب ہوسکے۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک

اگر چہ تعلیمی واقامتی اخراجات کے بالمقابل ہماری آمدنی کے ذرائع پہلے بھی محدود تھے لیکن کورونا وائرس کی وجہ سے لوگوں کے کاروبار پر جواثر پڑا ہے اور آمد ورفت کے ذرائع مسدود ہوجانے سے مسلسل دوسالوں سے رمضان المبارک میں کوئی چندہ نہ ہوسکا تو اس سے ہماری مالی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا، پھر بھی ہم نے ہمت نہیں ہاری اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے تمام طرح کی تعلیمی سرگرمیاں بحال کردیں تاکہ طلبہ کا سال خراب نہ ہو۔

اب آپ جیسے اصحاب خیر کے تعاون سے ہی جامعہ کے تعلیمی مصارف اور مستقبل قریب میں طلبہ کے خورد ونوش کی ضروریات پوری ہونی ہیں۔ ان شاء اللہ

امید ہے کہ علوم دینیہ اور علوم قرآن وحدیث کی اس شمع یعنی سراج علم کو جلائے رکھنے کے لئے ہمارے قدم سے قدم ملا کر چلیں گے اور اپنے گراں قدر تعاون سے نوازیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار اور آپ کی تجارت میں خیر وبرکت عطا فرمائے اور آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی ہر طرح حفاظت فرمائے۔ آمین

شمیم احمد ندوی

ناظم جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر

اورممبران عاملہ واساتذہ وکارکنان جامعہ

Designed By: Irfan Maqbool Nomani